أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

رسالہ

مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب

از

ابوالکلام

جو پہلے خطبہ صدارت کی صورت مین پراونشیل خلافت کمیٹی بنگال کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا۔ اب مصنف کی نظر ثانی، مطالب کی تقسیم و تبویب، مجمل بیانات کی مزید تفصیل، متعدد اہم فصول و مباحث کا اضافہ اور بعض ضروری ضمیمون کی تذئیل کے بعد مکرر شائع کیا جاتا ہے

تم مسلمان، جو ایک زمانے مین اللہ اور اُس کے دین برحق کے لئے سب کچھ کر سکتے تھے، کیا اب اتنا بھی نہین کر سکتے کہ اُس کے احکام اُس کے غافل بندون تک پہنچا دو؟ تم کو آرام نہین لینا چاہیے جب تک کم از کم دس مسلمانون تک وہ تمام احکام نہ پہنچا دو جو اس رسالہ مین درج ہین۔ اور چاہیے کہ اُن مین سے ہر ایک کو وصیت کرو کہ اسی طرح دس آدمیون تک پہنچا دے۔ فلیبلغ الشاهد الغائب، فان الشاهد عسیٰ ان یبلغ من هو اوعیٰ له منه

البلاغ پریس کلکتہ

(طبع ثانی)

قیمت ۱۲ روپیہ

فهرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم یان للذین اٰمنوا، ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق؟ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل، فطال علیھم الامد، فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون (۵۷:۱۶)

کیا مسلمانون کے لئے اب بھی وہ وقت نہین آیا کہ اُن کے دل اللہ اور اُس کے حکمون کے آگے جُھک جائین اور غفلت و نافرمانی سے باز آئین؟ اور اُن لوگون کی طرح نہ ہو جائین جن کو مسلمانون ہی کی طرح کتاب الٰہی دیگئی تھی (یعنے یہود) لیکن جب ایک بڑی مُدت گزر گئی تو غفلت مین رہتے رہتے اُن کے دل سخت ہو گئے۔ احساس جاتا رہا۔ غیرت و حمیت مٹ گئی۔ سچّے دلون کی وہ نرمی اور اثر پذیری نہ رہی جو صدائے حق سُنتے ہی چونک اُٹھتی ہے۔ فھل من مدّکر؟

مقدمه

طبع ثانی

الحمد لله وحده - چار مہینے ہوے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کي صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ بار دوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریر کي شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمي پوري کردي گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

(۱) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معني " اولی الامر " جسکي طرف پہلے سرسري اشارہ کیا گیا تھا -

(۲) شرح حدیث حارث اشعري مندرجۂ مسند و ترمذي ' اور نظام و قوام جماعت -

(۳) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروري پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث امامۃ قریش کے بعض طرق و سلاسل غیر ضروري سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

(۴) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کي طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب صاف ہوگئے ہیں -

میں - اس کے لیے توفیق الہی کا شکر گذار ہوں - بے شمار اصحاب نے جن میں ایک بڑي تعداد علماء کي ھے ' مولف کو مطلع کیا ھے کہ مسئلۂ خلافۃ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے' مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوري طرح مطمئن ھوگئے - واللہ یھدي من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھي قابل ذکر ھے کہ مولف نے گذشتہ فروری کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کی' تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلی نہ ھوئی تو مسلمانوں کیلیے ضروري ھوجائیگا کہ اس حکم شرعي پر عمل پیرا ھو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ھے - پھر اس کي تشریح بھی کردي تھی ' اور بتلایا تھا کہ از روے نص قرآنی مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہي ھونا چاھیے -

اگرچہ اس وقت بجز مہاتما گاندھی جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہري برتي اور طرح طرح کے عذرات پیش ھوتے رہے ' تاھم حکم قرآنی کی الہامی و ربانی صداقت بالاخر فتح یاب ھوئي ' اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کار کو طوعاً و کرھاً اس پر متفق ھو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کي سیاسي جماعتیں بھي اس اعتراف میں ھمارے ساتھہ شریک ھیں ' اور یقین کرتی ھیں کہ ملک کي نجات کیلیے اسکے سوا کوئي راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے عیب ھي کی کارساري ھے کہ اُسنے ملک کي ایک راست باز غیر مسلم ھستي یعنی مہاتما گاندھی جي کے صداقت اندیش دل کو بھي خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا ' اور انہوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وھي تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ھے -

۲۰ - جنوري سنہ ۲۰ - کو جب دھلی میں خلافت ڈیپوٹیشن کی ایک صحبت مشورۃ منعقد ھوئی اور سب سے پہلي مرتبہ " نان کو اپریشن " کي تجویز بحث میں آئی ' تو اُسوقت صرف مسٹر گاندھي اور مولف رسالہ ھي کے دل و زبان پر تھي - باقي یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

(٥) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدان تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندرونی مرق و طوائف کی نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کی آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کی صاف و سہل الفہم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' بے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق ' اُنکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سی لغزش اور نظر کی تھوڑی سی کوتاهی بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتی ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کی تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئی ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولی مسائل و مباحث کی نزاعات قدیمہ کا جسطرح کلی خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرۃ کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے ' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلی مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کی نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتی سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھی نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کی نسبت خود مدعیان علم پر بھی عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذوق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ خبرہ مذاقی و کم نظری کا ماتم پیش آ جاے تو گلہ مند نہ ہونا چاهیے :

کم اردنا ذاک الزمان بمدح
وشغلنا بذم هذ الزمان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کی اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

مقـــدمـــہ

(طبع اول)

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے مطالبات کی تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کی جاتی' جسمیں تمام احکام شرعیہ کی پوری طرح شرح و تحقیق ہوتی ' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں ' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا -

یہ رسالہ اسی غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو بقیہ مباحث بھی انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپنی عادت کے مطابق محض زبانی تقریر کی تھی ' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھی آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وہی ہے جو اس زبانی تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے ' جو مسئلہ کے سیاسی و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد ' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کی بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کی اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنے مسئلہ پرشرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئی جسکا خطاب زیادہ‌تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا ' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروری مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاہیں ' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

کلکتہ — محمد اکرم خان

مئی سنہ ۱۹۲۰ع — آنریری سکریٹری خلافت کمیٹی بنگال -

الحمد للہ کہ آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقہ اعلان یہی ہے !

یہاں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ اس رسالہ میں مسلمانان ہند کے فرائض و اعمال کی نسبت جو کچھہ بصیغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وہ اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ہے - موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد ہوجائینگے ؟ بلکہ یہ ہے کہ جو کچھہ عائد ہونا تھا ہوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ہے - اداء فرض کا درپیش ہے - رسالہ کے آخری ابواب میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے ہیں - تفصیل دوسرے حصہ میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے (مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار) خلافت کمیتی کی جانب سے شائع ہونے والا ہے اور جسکو آجکل قلمبند کررہا ہوں - فان اعش ' فسأ بينها لكم ' و إن امت ' فما انا بصحبتكم بحريص - والحمد للہ اولاً و آخرا -

۹ - محرم سنہ ۱۳۳۹   احمد -

(پنجاب میل - استیشن کانپور)   کان اللہ لہ
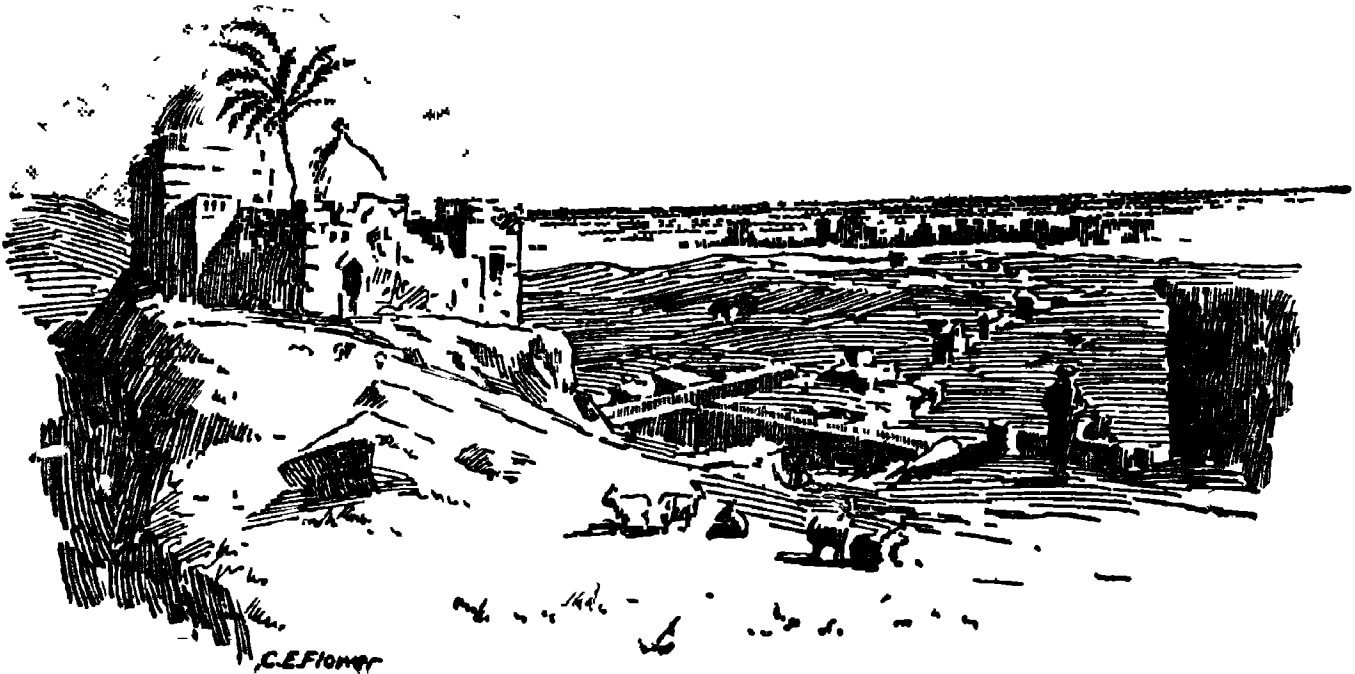
راہ تھی - موجودہ زمانے کی مصطلحہ لیڈرشپ کی راہ نہ تھی - میرے سامنے اتباع و اقتداء کیلیے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ہیں، اور جنکے طریق عمل کو اسلام کی اصطلاح میں "حکمت" اور "سنۃ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے - میں اپنی راہ طلبی کا ہاتھ ابراہیم و محمد (علیہما الصلوۃ و السلام) کے رہنما ہاتھوں میں دیدینے کیلیے مضطر تھا - گریفالڈی، میزینی، یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا - پس یہ تو ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محبت کا ایک عجز دلچسپ منظر ہوتا، یا انسانوں کے کسی ہجوم میں ایک پکارنے والے کی بے پروا پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہد ندوۃ و مذاہب کا ایک دلدادہ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ہو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ، اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت، ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتے!

حضرات! مذہب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے ہمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور صرف اپنے سایہ ہی پر قانع رہنا پڑا - یہ مدنیۃ زار عالم جو اپنے ہر گوشہ میں معبدوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ہے، میرے لیے ہمیشہ سنسان رہی یا ایک صحرائے ریگ زار، لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اُس نے کام نہیں دیا، اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھ دے سکوں - تاہم آپ حضرات کیلیے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ہے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ہستی ارادہ کے ساتھ عمل کو جمع کرسکتی ہے، میں اپنے اصولوں پر قائم رہنے کیلیے ہمیشہ سخت رہا ہوں، اور موجودہ زمانے کی لیڈرشپ کی دلفریب سے دلفریب نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ہوئی ہیں -

اسی بنا بر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انہوں نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کرلینی چاہیے تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاہر کیا -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه - و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا - من يهدي الله فلا مضل له ' و من يضلله فلا هادي له - و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له - ونشهد ان سيدنا محمد عبده و رسوله - صلى الله عليه و على اله و اصحابه وسلم -

برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ھے جسکی صدارت کی عزت مجھے دي گئی ھے - آپکی کمیٹی کے معزز ارکان میں سے ھر رکن یقینا اس بات سے واقف ھوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میري زندگي میں سب سے پہلا واقعہ ھے ' اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ھے جس پر نہایت اصرار کے ساتھہ قائم رھنے کي ھمیشہ کوشش کرتا رھا ھوں - سنہ ۱۹۱۱ع میں جبکہ میري موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائي عہد تھا ' مجھے موقعہ ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کیلئے ایک " مذھب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کي طرف قدم اُٹھاتے ھوے اصول عمل کي مختلف راھیں میرے سامنے تھیں ' اور میں چاھتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کي طرح ھو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ھے - اُس طوفاني کشتي کي طرح نہو جس نے ھوا کے جھونکوں اور سمندر کي موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دي ھے - اُسوقت اپنے مذھب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعي فیصلہ کرلیا تھا ' اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھي تھا کہ اپني زندگی کے ھر حصہ میں ھمیشہ مجلسوں کی صدارت ' انجمنوں کے عہدوں ' اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رھونگا -

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادي اور دیني اعتقاد کا قدرتي نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کي تھي ' وہ دعوۃ و تبلیغ کي

بیٹي ' اور حیله جوئي و بهانه سازي میں امتیازکي راہ مسدود هے' اور عزم و یقین کي جگه ظن و شک اور خوف و هراس کی حکومت قائم هے - زبانوں کي لکنت گو دور هوچکي ' اور شاید چهروں کا هراس بهي جاتا رها لیکن دلوں کي دهشت بدستور باقي هے' اور ایمان کي کمزوري نے ابتک روحوں کا ساتهه نهیں چهوڑا هے - زبانیں جسقدر تیزهیں' قدم میں آتنی تیزي نهیں هے - اور اعلان جسقدر بلند آهنگي اور رعد آسائي رکهتا هے' عمل میں اسقدر بلند پیمائی نظر نهیں آتی - نیند گو ٹوٹ چکي ' اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بهی بدل چکے ' لیکن آنکهوں میں خمار بدستور باقي هے ' اور دهواں بڑهتا جاتا هے لیکن شعلوں کي چمک کہیں نظر نهیں آتی - اگرچه خدا کے مقدس نام کي تقدیس سے اب کوئي زبان نا آشنا نهیں رهي' لیکن دلوں میں خدا کے ساتهه انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتهه نفس کا عشق بهي باقي هے : ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا (۴ : ۱۴۹) اور چاهتے هیں که ان دونوں راهوں کے بیں بین کوئی تیسري راہ اختیار کریں - حالانکه تیسري راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نهیں - راهیں صرف دو هي هیں - فمن شاء فلیؤمن ' و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا هے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نهیں کرسکتا " قرآن کا بهی فیصله یهی هے : ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفه (۳۳ : ۴) یعنی :

سینے میں کسي شخص کے دو دل نهیں هوتے !

حضرات ! مجهے ملامت کرنے میں جلدي نه کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بهی زیادہ بے نقاب دیکهنا چاهوں - افسوس که وقت کی جلدي اور قانون قدرت کی بے صبري نے همارے غفلتوں کا ساتهه نهیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتهه نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑهتا چلا آیا هے - اب موت و حیات ' بقاؤ فنا ' ایمان و کفر' اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل همارے سامنے هے ' اور اسلیے میں قابل ملامت نهیں هوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبهال نهیں سکتا - یه حالات دیکهکر میں نے ارادہ کرلیا که اگر مجهکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعه ملتا هے تو میں اس سے انکار نه کروں ' اور اگر صدارت کے حقوق و اختیارات کو اصل مقصد کیلیے استعمال کرسکتا هوں تو اسکو ایک مفید فرصت تصور

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے، لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا، اُسکی حفاظت بھی میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کی بنا پر کہ ہر بڑی چیز کیلیے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے وسائل کو قربان کردینا چاہیے، میں طیار ہوگیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں، اور اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھہ بے پردہ وہ اصلی سبب بھی عرض کردوں جس نے مجھے بالآخر اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھی پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ہی میں نے پوری طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکی مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کی نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کی تھیں، اور جنکی وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتی اور محبوب رفاقتوں سے بھی دست بردار ہو جانا پڑتا تھا، بدقسمتی سے ابتک اُن میں تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے، اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے، اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں، اسپر ابتک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاری رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک - ابتک حقیقی مصلحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی - و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

باب

خلافت اسلامی

فصل

(خلافة)

" خلافۃ " عربی کی ایک مصدر ھے - اُسکا مادہ ھے " خلف " - اور اسی سے ھے " خلیفہ " - خلیفہ کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ھیں " من قولک خلف فلان فلانا فی ھذا الامر اذا قام مقامہ فیہ بعدہ " [ابن فارس] یعنی اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اُسکا نائب و قائم مقام ھوا تو یہ خلافت ھوئی ' اور لغہ میں اسکو خلیفہ یعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہینگے - خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ھوئی ھو ' یا غیبت کی وجہ سے ' یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے - مفردات امام راغب میں ھے " الخلافۃ ' النیابۃ عن الغیر ' اما بالغیبۃ المنوب عنہ ' و اما لموتہ ' و اما لعجزہ ' و اما لتشریف المستخلف " (صفحہ ١٥٥)

یہ لفظ بھی قرآن حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ھے - یعنی عربی زبان کے اُن لفظوں میں سے ھے جنکو لغہ میں عام معانی کیلئے استعمال کیا جاتا تھا مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معنی کیلئے اختیار کرلیا - جیسے ایمان ' عذاب ' تقدیر ' بعث ' صلواۃ وغیرہ ذلک - ایمان کے لغوی معنی یقین و طمانیۃ اور زوال خوف و شک کے تھے ' لیکن قرآن حکیم نے اسکو ایک خاص طرح کے یقین و اقرار اور عمل کیلئے استعمال کیا ' اور اب ایمان قرآن کی بولی میں عام لغوی معنی کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اُٹھہ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھدا ھوں لیکن رفیقان طریق نے ھمیشہ اس سے اعراض کیا ھے ' اور آج بھی جبکہ اُس اعراض کے نتائج سامنے ھیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ھے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپ اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاھی ھے ' اُس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکر گزار ھوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار - ھم سب کو اللہ کے وصل و توفیق پر اعتماد ھے جسکے بغیر کائنات ھستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امید جمع ھدں احباب درد دل کہلے
پھر التفات دل دوستاں رھے نہ رھے '

و ما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب -

ثم جعلناکم خلائف في الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون ؟ (۱۰:۱۴)	پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو انکی جگہ دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں ؟
و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح - (۷ : ۶۸)	اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد انکا جانشیں بنایا -
یا داؤد انا جعلناک خلیفة في الارض (۳۸ : ۲۶)	اے داؤد ! ہم نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا -

اسي چیز کو زمین کي وراثت سے بھي تعبیر کیا گیا

ولقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادي الصالحون (۲۱ : ۱۰۵)	اور زبور میں بھي ہمارا اعلان یہي تھا کہ یقیناً زمین کي حکومت ہمارے صالح بندوں ہی کي وراثت میں آئیگي -

یہي چیز زمین کي " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھی ہے جو سر زمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلي نوجوان نے حاصل کی تھي' جبکہ وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا ' اور پھر اپنے عمل حق و صالح کي قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا :

کذلک مکنا لیوسف - (۱۲ : ۵۶)	اس طرح ہم نے یوسف کی عظمت مصر میں قائم کردي -

اور اسی کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

الذین ان مکنا هم في الارض اقاموا الصلوة و آتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر' و للہ عاقبة الامور - (۲۲ . ۴۳)	وہ لوگ کہ اگر ہم انکی طاقت زمین میں جمادیں تو انکا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کرینگے ' زکواة ادا کرینگے ' نیکی کا حکم دینگے ' اور برائي سے دنیا کو روکینگے •

اس آیۂ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھي واضح ہوگئي کہ تمکین في الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلي قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے ؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کي عبادت دنیا میں قائم کي جاے ' نیکي اور راستي کا اعلان و ظہور ہو' برائی سے نوع انساني کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جاے !

دوسري آیہ میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا .

پاگئی ھے - قرآن کی زبان میں خلافۃ اور " استخلاف فی الارض" اور " وراثت و تمکن فی الارض " سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت ھے - قرآن حکیم اسکو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ھے جو اچھے نقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں ملسکتی ھے - قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ھوتا ھے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ھدایت و سعادت کیلئے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ھو - وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اُس کی زمین پاک ھو جاے ' ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیۃ دنیا میں پھیل جاے' اور اللہ کا وہ ھمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ھستی میں سورج سے لیکر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ھے ' اور جسکو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ھے ' زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ھوکر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنادے !

لغۃ کے اعتبار سے یہ اطلاق اسلیے ھوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ھوا ' وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں ' اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا ' اور اسکے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی' اور ھر خلیفہ ' سابق کا قائم مقام - ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافۃ کے وارث مسلمان ھوے' تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا - یعنی محمد الرسول اللہ صلعم - اور پھر انکے بعد جن لوگوں کے ھاتھہ اسلام کی مرکزی حکومت آئی ' وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ھوے اسلیے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ھوا اور ابتک ھو رھا ھے -

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ھوتی رھی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دین حق کے خدمت گزار رھے - آیات ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ھے :

وھو الذی جعلکم خلائف الارض (۶ : ۱۶۵)	وھی پروردگار عالم ھے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی -
و یستخلف ربی قوما غیر کم - (۱۱ : ۵۷)	اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو دیدیگا -

(اصل طبع اول)

ہے، اور اسکا مٹانا اُس کے ظہور کا پہلا کام تھا۔ اتخذوا احبارھم و رھبانہم ارباباً من دون اللـــہ (۹ : ۳۲) اور ماکان لبشر ان یوتـــیہ اللہ الکتاب و الحکم و النبوۃ ، ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ، و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - (۳ : ۷۹)

اللہ کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا - آٹھہ دو سال بعد جب داعی اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کیلیے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفۃ اللہ خود حضرۃ داعی اسلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کا وجود مقدس تھا ، اور آپ نے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خـلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا کہ وہ آپکے نائب اور قائم مقام ہونگے - " علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین " (ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ) و امثالہا - آپکے بعـد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جانشین ہوے تو وہ خلیفۂ رسول اللہ تھے -

فصل

(خلافت خاصہ و خلافت ملوکی)

آنحضرۃ کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائـج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ہوگئی - خود آنحضـــرت نے نہ صرف ان کی پیشتر سے خبر ہی دیدی تھی ، بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں ، وہ کثرت طرق ، شہرت متن ، قبول طبقات ، کی بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیئین کا تھا جنکی خلافت منہاج نبوۃ پر تھی - یعنی وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جا نشین اور جامعیۂ شخص رسالہ کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا ، اور اسلیے گویا عہد نبوت کا ایک آخری جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوۃ میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا ، اسی طرح اُنکی شخصیت بھی جامع و حاوی تھی - دینی دعوۃ اور شرعی اجتہاد و امر ، حکومت و فرمانروائی اور قوام و نظام شرع ، نظام شریعت اور نظام

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ' و لیبدلنہم من بعد خوفہم امنا - یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ہم الفاسقون (۲۴ : ۵۵)

جو لوگ ایمان لاے اور نیک عمل انجام دیے ' اللہ کا انسے وعدہ ھے کہ اُنھیں زمین کی خلافت دیگا - ٹھیک اُسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ھے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے اُس کا دین حق قائم ھو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی و کامرانی سے بدل دی جائینگی -

یہ آیت اُسوقت نازل ھوئی جب ھجرۃ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ھوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھہ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ھتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اُسوقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یاتی علینا یوم نامن فیہ و نضع عنا السلاح " ایک دن بھی ھم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھہ صبح و شام بسر کرے اور ھتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوی ھیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ھوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہوں ' ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ھے جبکہ خوف کی جگہ امن ھوگا ' مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ھوگی ' اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کی خلافت اُنھی کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگی - (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ھوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ھے ' وہ خلافت فی الارض ھے - یعنی زمین کی حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ھو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ھے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ھو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ھے - اسلام کے قانون میں دینی و روحانی اقتدار خدا و رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی - یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی ' بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لیکر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک ' ساری باتوں کا یہی حال ہوا - فتنۃ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوے تھی جو بقول حضرۃ حذیفہ (اعلم الصحابۃ بالفتن) حضرۃ عمر (رض) کا وجود تھا - جونہی یہ بنیان مرصوص ہٹی ' وہ سیلاب عظیم امڈا ' اور پھر کوئی سد و بند اسکی راہ نہ روک سکا - اسی سیلاب کو حضرۃ حذیفہ کی روایت میں " التی تموج کموج البحر " (رواہ البخاری) سے تعبیر کیا گیا تھا - یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اسکی موجیں اٹھینگی - سو واقعی اٹھیں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافۃ علی منہاج النبوۃ " کی عظیم الشان عمارت اسکے طلاطم و طغیان میں آناً فاناً بہہ گئی -

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھہ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازہ کردیگا ' اور جسکا حال یہ ہوگا کہ " لا یدری اولہا خیر ام آخرھا " نہیں کہا جاسکتا کہ امت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اسکا اختتام ؟ یہی وہ آخری زمانہ ہوگا جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہوکر رہیگا کہ :

لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون - (۹ . ۶۱)	دین اسلام اور اسکا رسول اسلیے آیا تاکہ تمام دینوں اور قوموں پر بالاخر غالب ہوکر رہے (کیونکہ آخری غلبہ و بقاء صرف اصلح کیلیے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام ہی ہے)

یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ' ایک مومن قلب کیلیے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں - بلکہ جسقدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے ' اتنا ہی زیادہ طلوع صبح کا وقت قریب آتا جاتا ہے : ان موعدھم الصبح ' الیس الصبح بقریب !

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم !
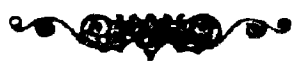
سیاست' یہ تمام قوتیں آنکی ذات واحد میں جمع تھیں - آنکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوریٰ' جسکو آجکل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھہ ریپبلک کہہ سکتے ھیں - یہ سلسلہ حضرة علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاهت کا تھا' جبکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کر رهی تھیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا' لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہوگئے تھے - خلفاء بنو امیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ھے' وہ اسی دوسری قسم میں داخل ھے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق هدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاهت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ھے " الخلافة بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [اخرجہ اصحاب السنن] اور حدیث ابو هریرہ " الخلافة بالمدینة و الملک بالشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلاۓ گئے هیں " نبوة و رحمة ' ثم خلافة و رحمة " و فی لفظ " خلافة علی منہاج النبوة ثم تکون ملک عضوض (رواہ البزار و قال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - هم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوۓ - عہد نبوت و رحمت' خلافت و رحمت' پادشاهی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرة صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزء تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوہ اور تکمیل کار و بار شرائع میں همیشہ سنة اللہ رهی ھے) جو حضرة امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاهی و استبدادی شروع ہوا جو آجتک جاری ھے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں' اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا' اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی' کالحصیر عوداً عوداً' جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی' اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی' آندی هی عہد نبوت اور خلافت

ھے : الذي خلق فسوی (۸۲ : ۲) پس زندگي اور وجود نہیں ھے مگر اجتماع و ائتلاف' اور موت وفنا نہیں ھے مگراسکي ضد - یہي حالت جب افعال و اعمال پر طاري ھوتی ھے تو اخلاق کي زبان میں اسکو " خیر " اور شریعه کي زبان میں " عمل صالح " اور " حسنات " کہتے ھیں - جب جسم انسانی پرطاري ھوتی ھے تو طب کی اصطلاح میں " تندرستی " سے تعبیرکی جاتی ھے اور حکیم کہتا ھے کہ یہ " زندگی " ھے - اور پھر یہی حالت ھے کہ جب قومي و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاري ھوتی ھے تو اُس کا نام " حیات قومی و اجتماعی " ھوتا ھے ' اور اُسکا ظہور قومي اقبال و ترقي اور نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ھے - الفاظ بہت سے ھیں - معنی ایک ھے - مظاھرگو مختلف ھیں مگر اُس حکیم یگانۂ و واحد کی ذات کي طرح ' اُسکا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ھستی میں ایک ھي ھے - و لنعم ما قیل :

عبارا تنا شتی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر ا

اس حالت کي ضد " اشتات و انتشار " ھے - اشتات " شتت " سے ھے جسکے معنی لغة میں " تفریق " اور الگ الگ ھو جانے کے ھیں - " یقال شت جمعهم شتا و شتاتاً ' و جاؤا اشتاتاً - ای متفرقی النظام " (مفردات : ۲۵۶) قرآن حکیم میں ھے ' یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹:۹) اور من نبات شتی (۲۰ : ۵۳) اور و قلوبهم شتی (۵۹ : ۱۴) ای مختلفه - انتشار " نشر " سے ھے - اسکے معني بھي الگ الگ ھو جانے کے ھیں - یعني تفرق کے - سورۂ جمعه میں ھے : فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا - یعنی تفرقوا - " اِشتات و انتشار " سے مقصود وہ حالت ھے جب اجتماع و ائتلاف کی جگه الگ الگ ھو جانے ' متفرق اور پراگندہ ھونے ' اور باھمدگر علحدگي و بیگانگي کی حالت طاري ھوجاے - مواد میں ' قوی میں ' اعمال میں ' افراد میں ' ھر بات میں پہلي حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ھوجاے - یہ حالت جب مادہ پر طاري ھوتی ھے تو " تکوین " کي جگه " فساد " اور " وجود " کی جگه " عدم و فنا " کا اُسپر اطلاق ھوتا ھے جسم پر طاري ھوتي ھے تو اُسکا نام پہلے " بیماري " اور پھر " موت " ھے - اعمال پر طاري ھوتي ھے تو اُسي کو قرآن حکیم اپني اصطلاح میں " عمل سوء " اور " عصیان " سے تعبیرکرتا ھے - اور پھر یہي چیز ھے که جب

فصل

(عہد اجتماع و ائتلاف ‘ و دور اشتات و انتشار)

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کیلئے مجھے اپنے اطراف و جوانب کی طرف بے اختیار مائل کرلے - اس مقام کی مزید وضاحت کیلئے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت و حیات ‘ ترقی و تنزل‘ اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں ‘ انکی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معنی ہیں " ضم الشئ بتقریب بعضہ من بعض " (مفردات امام راغب : ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معنی ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ‘ و رتب ترتیبا ‘ قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ‘ و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " (مفردات ۱۹) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخری جگہ ملنی چاہیے ‘ وہ آخری جگہ پائے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سےمقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام ‘ ایک مرکز ‘ ایک سلسلے ‘ ایک وجود ‘ ایک طاقت ‘ اور ایک فرد واحد میں اپنی فطرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں ‘ اور تمام مواد ‘ قوی ‘ اعمال ‘ اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھی ‘ ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ‘ ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی " ہر فرد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسی چیز ‘ کسی گوشے ‘ کسی عمل میں علحدگی نظر نہیں آتی - جدائی‘ انتشار‘ اور الگ الگ ‘ جزء جزء‘ فرد فرد‘ ہوکر رہنے والی حالت نہیں ہوتی - مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ‘ تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ " تخلیق " و " تسویہ " سے بھی تعبیر کیا

لو انفقت ما فی الارض جمیعا ' ما الفت بین قلوبهم - و لکن الله الف بینهم - انه عزیز حکیم (٨ : ٦٩)	اگر تم زمین کا سارا خزانه بھی خرچ کرڈالتے جب بھی ان بکھرے ھوے دلوں کو محبت و اتحـاد کے ساتھه جوڑ نہیں سکتے تھے - یه الله ھی کا فضل ھے جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کردیا -

اور اسیلیے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجه یه قرار دیتا ھے که اجتماع و ائتلاف پیدا ھو ' اور بار بار کہتا ھے که تفرقهٔ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھه جمع نہیں ھوسکتے - اور اسلیے یه نتیجه شریعت سے بغی و عدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا ھے : وما اختلفوا حتی جاء ھم العلم (١٣ : ٩٣) و آتینا ھم بینات من الامر وما اختلفوا الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیاً بینهم (٤٥ : ١٦) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء ھم البینات (٢ : ١٠٤)

اور اسي بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ھے ' اور جماعت سے علحدگی کو " جاھلیة " اور " حیاة جاھلی " سے تعبیر کیا ھے ' جیساکه آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعه ' فمات ' فمیتــة جاھلیه " وغیر ذلک ' اور اسی بنا پر بکثــرت وہ احادیث و آثار موجود ھیں جن میں نہایت شدت کے ساتھه ھر مسلمان کو ھر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچه امیر غیر مستحق ھو ' نا اھل ھو' فاسق ھو' ظالم ھو' کوئی ھو' بشرطیکه مسلمان ھو اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوة) اور ساتھه ھی بتلادیا گیا که جس شخص نے جماعت سے علحدگی کی راہ اختیار کی تو اس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کردیا - یعنی گمراھی اور ٹھوکر اسکے لیے ضروري ھے - زنجیر کا توڑنا مشکل ھوتا ھے ' لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ھوگئي ھو تو ایک چھوٹے سے حلقه کا حکم رکھتي ھے جسکو انگوٹھے سے مسل دیا جاسکتا ھے - حضرة عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرة صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعه فان الشیطـان مع الفذہ و ھو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں ھے " فان الشیطــان مع الواحد " یعنی جماعت سے الگ نہو - ھمیشه جماعت بنکر رھو - کیونکه جب کوئی تنہا اور الگ ھوا تو شیطان اسکا ساتھي ھوگیا - دو انسان بھی ملکر رھیں تو شیطان انسے دور رھے - یعني اتحادي و جماعتی قوت ان میں پیدا ھوگئي - اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے - یه الفاظ مشہور

قوموں اور امتوں کي اجتماعی زندگي پر طاري هوجاتی هے تو دنیا دیکھتي هے کہ اقبال کی جگہ ادبار ' عروج کي جگہ تسفل ' ترقی کی جگہ تنزل ' عظمت کی جگہ ذلت ' حکومت کی جگہ محکومي ' اور بالاخر زندگی کي جگہ موت اُس پر چھا گئی هے !

یہي وجہ هے کہ قرآن حکیم نے جا بجا " اجتماع و ائتلاف " کو قومي زندگي کي سب سے بڑي بنیاد ' اور اسلیے انسان کیلیے اللہ کی جانب سے سب سے بڑي رحمت و نعمت قرار دیا هے ' اور اسکو " اعتصام بحبل اللہ " اور اسی طرح کي تعبیرات عظمہ سے موسوم کیا هے - مسلمانوں کے اولین مادۂ تکوین امت یعني اهل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا :

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقـــوا ۱ و اذکـــرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بـين قلوبکم فاصبحتم بنعمۃ اخوانا - (۱۰۳:۲)

سب مل جلکر اور پوري طرح اکٹھے هوکر اللہ کی رسي مضبوط پکڑلو - سب کے هاتھہ اسي ایک حبل اللہ سے وابستہ هوں - اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسي عظـیم الشان نعمـت هے جس سے سرفراز کیے گئے ؟ تمھارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے هوے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے - اللہ نے تم سب کو باهم ملادیا اور اکٹھا کردیا - پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی هوگئے !

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات و انتشار کی زندگی کو بقاؤ قیام نہیں هوسکتا - وہ هلاکی کی ایک آگ هے جسکے دهکتے هوے شعلوں کے اوپر کبھي قومی زندگی نشو و نما نہیں پاسکتی :

و کنتم علی شفا حفرۃ من النار ' فانقـذکم منها کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تهتدون - (۱۰۳:٦)

اور تمھارا حال یہ تھا کہ آگ کے دهکتے هوے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے ' پر اللہ نے تمھیں بچالیا - اللـہ اپنے فضل و رحمت کي نشانیاں اسي طرح کھولتا هے تا کہ کامیابی کي راہ پالو !

یہ بھي جابجا بتلادیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کي صالح و حقیقی زندگی پیدا کردینا محض انساني تدبیر سے ممکن نہیں دنیا میں کوئی انساني تدبیر امت نہیں پیدا کرسکتي - یہ کام صرف اللہ هی کي توفیق و رحمت اور اُسکي وحي و تنزیل کا هے کہ بکھرے هوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنادے

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسی طرح نماز سے باہر آنے کیلیے بھی " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکی یہی ہے - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی -

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے - نماز کی جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاہر ہے - حج بجز اجتماع کے اور کچھہ نہیں - زکواۃ کی بنیاد ھی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دینا ہے - علاوہ بریں اُسکی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے - یعنی ہر فرد کو اپنی زکواۃ خود خرچ کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتی سے آج مسلمان کررہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے ' بلکہ مصارف زکواۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکواۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - پس اسکے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی - یہ امام کا کام ہے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف مخصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو ' اسی کو ترجیح دے - ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا ' زکواۃ کا بھی کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ہوجاتی ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جاے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکی منہ عضو' تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی " (صحیحین) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ' اور اسکی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اسکے اندر درد اُٹھہ رہا ہو - اور انکی مثال دیوار کی سی ہے - ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ہے - پھر تشبیک اصابع کرکے اُسکی تصویر بتلادی - یعنی ایک ہاتھہ کی انگلیاں دوسرے ہاتھہ کی انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے - سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق

خطبۂ جابیہ کے ہیں جو عبد اللـہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار، وغیرہم سے مروی ہے، اور بیہقي نے اِمام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا - اسي طرح حدیث متواتر بالمعنی " علیکم بالسواد الاعظم " اور " فانہ من شذ شذ فی النار " اور " ید اللہ علی الجماعۃ " اور " لایجمع اللہ امتی علی الضلالۃ " او کما قال - اور خطبۂ حضرۃ امیرکہ " و ایاکم و الفرقۃ، فان الشاذ من الناس للشیطان، کما ان الشاذ من الغنم للذئب - الا، من دعا الي ھذا الشعار فاقتلوہ و لو کان تحت عمامتي ھذا " وغیر ذلک اس بارے میں معلـوم و مشہور ہیں - آخري قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے - خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھہ ھوکر رھو - جو جماعت سے الگ ھوا اسکا ٹھکانا دوزخ ہے - افراد تباہ ھوسکتے ھیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ھو سکتی - اسپر اللہ کا ھاتھہ ہے - اللـہ کبھي ایسا ھوے نہ دیگا کہ پوري امت گمراھي پر جمع ھوجاے -

اسی طرح نماز کي جماعت کی نسبت ھر حال میں التـــزام پر زور دینا، اور اگرچہ امام نا اھل ھو لیکن سعي ھیام اھل کے ساتھہ التزام جماعت کو بھي جاري رکھنا، حتیٰ کہ " صلـوا خلف کل بر و فاجر " تو اسمیں بھي یہي حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتي زندگی ہے - انفراد و فرقـۃ ھر حال میں بربادي و ھـــلاکت ہے - پس جماعت سے کسی حال میں باھر نہ ھوناچاھیے -

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمـانوں کو سکھلائی گئي، اسمیں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ھر مومن کی زبان سے نکلنے والي تھي " اھدنا الصراط المستقیم " فرمایا - " اھدني " نہیں کہا گیا - یہ اسیلیـــے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کي ھستی کوئی شے نہیں ہے - ھستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ھیں تاکہ انکے اجتماع و تالف سے ھئیۃ اجتماعیہ پیدا ھو - اسي لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان، و خلاصۂ قرآن، و عصارۂ اسلام ہے، متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا - اور اسي لیے مسلمانوں کی باھمی ملاقات کے وقت جو امتیازي دعا سکھلائي گئي، وہ بھي بصیغۂ جمع آئي اگرچہ مخاطب واحد ھو - یعنی

قوتوں کے انتشار کا دور ساري چیزوں پر طاري هوا ' لیکن یہاں صرف ایک هی پہلو واضح کرنا مقصود هے - آنحضرة صلی الله علیه وسلم کا وجود اسلامي طاقت کي اصلي شخصیت تهي - آپ جب دنیا سے تشریف لیگئے تو صرف ایک داعی شریعت یا حامل وحی هی کی جگه خالي نہیں هوئی ' بلکه اُن ساري قوتوں ' سارے منصبوں ' ساري حیثیتوں ' اور هر طرح کے نظری و عملی اختیارات و قوی کی ' جو آپکي شخصیت مقدسه میں اکٹھی تهیں ' اور جنکا آپکے تنہا وجود مقدس میں جمع هونا اسلام کی شرعي و دیني خصوصیات میں سے تها - اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑي واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم هی نه تها ' اور نه دنیا کے فاتح حکمرانوں کي طرح محض ایک جهانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ - اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جهانباني سے الگ نہیں رکھا - وہ تو یه سکھلانے آیا تھا که دین و دنیا دو نہیں ایک هی چیز هیں ' اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں هے ' بلکه سچي حکومت اور خدا کی مرضي کے مطابق سلطنت وهي هے جسکو شریعت نے خود پیدا کیا هو ' پس اسلام کے داعي کا وجود ایک هي وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تها ' جو همیشه دنیا کی صدها مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رهي هیں - وہ الله کا پیغمبر تها ' شریعت کا مقنن تها ' اُمت کا باني تها ' ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تها - وہ اگر پتوں اور جهال سے پٹی هوئی مسجد کے ممبر پر وحي الهي کا ترجمان اور انساني سعادت و هدایت کا واعظ تها ' تو اُسي کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجونکو میدان جنگ میں بهیجنےکیلیے سپه سالار لشکر بهي تها - وہ ایک هی وقت اور ایک هي زندگی میں گهرونکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتهه هي بدر کے کنارے دشمنوں کا حمله بهي روکتا ' اور مکه کي گهاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراں کي طرح نمایاں بهي هوتا تها - غرضکه اُسکي ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تهے ' اور اسلام کا نظام دیني یهي تها که یه ساري قوتیں ایک هي فرد میں جمع رهیں -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو خلفاء راشدین کي خلافت خاصه اسي اجتماع قوی و مناصب پر قائم هوئی ' اور اسي لیے اُسکو " منهاج نبوة " سے تعبیر کیا گیا - یعنی یه نیابت ٹهیک ٹهیک هر لحاظ اور هر پہلو سے شخص جامع نبوة کی سچي قائمقامي اپنے اندر رکهتي تهي -

اینٹوں کا نام نہیں ہے - دیوار کا نام ہے - الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں - ہے تو اجتماعی وجود ہے - یعنی دیوار کا ایک جزء ہے ' اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے -

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعنی صف بندی پر ' اور سب کے سروں ' سیدوں ' پانؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین وجوهکم " (بخاري) اور روایت انس کہ " سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوۃ " (بخاري) وفي لفظ " من تمام الصلوۃ " تو اسمیں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کی تصریحات و حکمیات اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھہ چکا ہوں

فصل

(جمع و تفرقۂ قومی و مذاہب)

اس قانون الہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا 'جب آنکی قومی و انفرادی' مادی و معنوی' اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع وائتلاف کی رحمت طاری تھی' اور آنکے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد آسی دن پڑی ' جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہوگئی - ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا ' ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی ' ہر چیز بندھی ہوئی تھی ' لیکن بہ تدریج تفرقۂ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا ' ہر جماؤ پھیلا ' ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہوکر منتشر اور تتر بتر ہوگئی - قرآن حکیم کے بتلائے ہوے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی' اور ایک ہزار برس پر تین صدیاں گزرچکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں' حالانکہ قرآن و سنہ اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام مفاسدات و نتائج صرف اسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلی علت اسکے سوا کوئی نہیں -

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھي ادا کرتے تھے میدان جنگ میں احکام بھي وھي بھیجتے' اور روم کے سفیرکو بہ حیثیت شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھي وھي بلاتے !

اسي طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولي قسموں میں بانت دیا ھے :

یتلو علیھم آیاته ' و یزکیھم ' و یعلمھم الکتاب و الحکمة (٦٢ : ٣) تلاوت آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھہ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھی رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحي کي طرح خدا کے کلام کي منادي کرتے' ایک نبي کي طرح دلوں اور روحوں کو پاکي بخشتے ' اور ایک رسول کي طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنہ سے امت کي تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ھي وجود میں ابوحنیفۂ و شافعي بھي تھے (رح) اور جنید و شبلي بھي (رح) - نخعي و حماد بھي تھے ' اور ابن معین و ابن راھویه بھي (رح) جسموں کا نظام بھي اُنھی کے ھاتھوں میں تھا - دلوں کي حکمرانی بھی اُنھی کے قبضۂ میں تھي - یہي حقیقي اور کامل معنی منصب نبوت کي نیابت کے ھیں ' اور اسي لیے اُنکا وجود اور انکے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک آخري جزء تھے کہ " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " اور اسي لیے " و عضوا علیھا بالنواجذ " کے حکم میں نہ صرف سنۂ عہد نبوت ' بلکہ خلافت راشدۂ و خاصہ کي سنۃ بھی داخل ھوئي ' اور شرح اس سر الھي کي بہت طولانی ھے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دیدي گئی تھي ' اجتماع و ائتلاف کي یہ حالت حضرۃ علي علیه السلام پر ختم ھوگئي- اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ھوا - ازانجملہ مرکزي قوتوں اور منصبوں کا انتشار واشتات تھا' جس نے في الحقیقت امت کا تمام نظام شرعي و اصلی درھم و برھم کردیا- خلافت خاصہ کے بعد یہ ساري یکجا قوتیں الگ الگ ھوگئیں - ایک وجود کي جگہ مختلف وجودوں میں اُنکا ظہور اور نشو و نما ھوا - حکومت و فرماں روائي کا تکرہ الگ ھوکر مجرد پادشاھي کي شکل میں آگیا - اسي کي طرف اشارہ تھا " الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم ملک " سو واقعي اسکے

سب وہ مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے - ازاں جملہ ایک جزء وحی و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے - یعنی قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ہو چکی تھی اور قیامت تک کیلیے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہوچکا تھا - جب نعمت کامل ہوگئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے - اسکی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا - الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ : ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھہ بہت سے تبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھی اسی سلسلہ میں داخل ہے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچی ' اسمیں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ہوسکتی تھی ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی - داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضی ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۂ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوری ' وغیرہ ' جہان بانی و حکمرانی کے تمام منصب بھی اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساری نظری و عملی قوتوں اور تمام منصبوں کا جامع ہوا - وہ ایک ہی وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھی تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھی تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و بلاد بھی - اصلاً " امامت کبری " کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی ' دونوں سے مرکب ہے - اسلیے انکی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھی تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوری میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جنازہ کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

خلافت راشدہ کی طرف عود و رجعت کا وہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لیے شوری اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے - لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ہو دور اور ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلادیے گئے تھے ' اور اس میں کبھی کوئی نمایاں اور پائدار تبدیلی نہ ہوئی -

فصل

(اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ)

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے - یعنی اسلام کا وہ نظام شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معرفت اور اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر - جب تک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئی حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی کے قدرتی نظام کا ایک جزء اور قوام ہستی کی زنجیر فطرۃ کی ایک قدرتی کڑی ہے - کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت و سنۃ ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دوائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ہوتا ہے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کی شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ہیں ' اور دورے دائرہ کی زندگی اور بقاء صرف اُس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہوجائیں ' یا مرکز کی اطاعت و انقیاد سے باہر ہو جائیں ' تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہوجاے اور دائرہ کی اکائی ہستیاں مرکز سے الگ رہکر کبھی قائم و باقی نہ رہسکیں - یہی وہ حقیقت ہے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کالکرۃ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ہے -

بعد صرف بادشاهي هي رهگئی - اجتهاد او ر قضاء شرعی کا جزء خلافت سے
الگ هوا تو مجتهدین و فقهاء کي ایک الگ جماعت پیدا هوگئي - انهون نے
یه کام سنبهالا - اسي طرح تعلیم و تربیت روحاني کے کار و بار سے نظام حکومت
بالکل الگ هوگیا - پہلے خلافه کي ایک هی بیعت تمام مقاصد کي کفیل
تهی - اب خلیفه کا وجود محض پادشاهی کیلیے اور فقهاء کا مجرد استنباط
احکام و مسائل کیلیے رهگیا ' تو تزکیهٔ نفوس اور ارشاد قلوب کیلیے ایک
دوسري بیعت مستقلاً قائم هوئي ' جو بیعت توبهٔ و ارشاد هوئي ' اور اسطرح
اصحاب طریقت و تصوف کي بنیاد پڑي - پہلے صرف ایک وجود تها - وه
پادشاه ' مجتهد ' مرشد ' قاضي القضاة ' سپه سالار جنگ ' میر عدل و احتساب '
سب کچهه تهـــا - اب یه ساري قوتیں الگ الگ هوگئیں - حـــکومت و
فرمانروائي الگ ایک وجود میں آئی - اجتهاد و تفقه کیلیـــے دوسرا وجود
مرکز بنا - قضاء کیلیے تیسرا - ارشاد و تزکیهٔ قلوب کیلیے چوتها - و هلم جرا -
غرضکه عهد اجتمـــاع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب
شروع هوکر رفته رفته کمال ظهور و بلوغ تک پهنچ گیا - حتی که یه تمام قوتیں
اسطرح ایک دوسرے سے بیگانهٔ و مخالف هوگئیں که یا تو ایک هی وجود میں
جمع تهیں ' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بهی متفق نه رهسکیں -
صرف اختلاف تعدد و تنوع هی نهیں رها ' بلکه اختلاف تضاد کی شکل
پیدا هوگئی - یهی سب سے بڑی مصیبت و هلاکت تهي جو امت پر طاري
هوئی - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کي اصلی علت یه هے - وه افسانے نہیں
هیں جنمیں تم سرمست هو - افسوس که سطحی و جزئی حالات کے استغراق
نے اصلی اسباب وعلل پرغور کرنے کی تمهیں کبهی مهلت نه دي ' اور نه
بحث و نظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد هوسکے که خالص اسلامي فکر و نظر
سے اسباب ترقي و تنزل پر تدبر کرے !

غرضکه خلافت راشده کے بعد جو سلسلهٔ خلافت قائم هوا ' وه خواه قرشي
رها هو یا غیر قرشی ' مجرد ملوکی و پادشاهی کا سلسله تها ' اور بجز چند
مستثنی اوقات کے (جیساکه عهد حضرة عمر بن عبد العزیز) نه نیابت نبوت
کے اور تمام اجزاء سے یکقلم خالی رها - منصب بٹ چکے تهے - قوتیں
منتشر هو چکی تهیں - البته جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے
میں هوا اور جسکا نتیجه یه نکلا که سلاطین عثمانیه کی خلافت طریق
استبدادي و شخصی سے طریق شوری میں تبدیل هوگئي ' سو بلا شبه

جو تم میں آباد ہے - ہر جسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو !
یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سر بسجود ہے ؟ سب کی
حیات کا مرکز صرف قلب ہے - اس سے الگ رہکر ایک عضو بھی زندہ نہیں
رہسکتا " اذا اصلحت ، صلحت کلہا ، و اذا فسدت ، فسدت کلہا " (۱)

اسلام فی الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے - اگر
نوع انسانی کی سعادت و ارتقاء کیلیے قانون اسلام اسی فاطر السماوات
و الارض کا بنایا ہوا ہے جسنے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا ، تو ضرور ہے
کہ دونوں میں اختلاف نہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزء
نظر آے ، جیسے زنجیر کی ایک کڑی - پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک
ٹھیک اسی قانون مرکزیۃ پر قائم ہوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح
کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی انکے اپنے مرکزوں سے وابستہ
ہے ، اسی طرح نوع انسانی اور اسکی جماعت و افراد کا جسمانی و معنوی
بقاء بھی قانون مرکزیۃ پر موقوف ہے - جس طرح ستاروں کی زندگی اور
حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے - اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز
سعادت انبیاء کرام کا وجود ہے - پس انکی اطاعت و انقیاد بقاء و حیات
کیلیے ناگزیر ٹھہری : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ : ۶۸)
دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اسلیے کہ اسکی اطاعت کی جاے ، اور
اسی لیے فرمایا فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ، ثم لا
یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان
لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلیے ہر طرح کے
دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو
ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و
یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا
جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہوجاتا ہے - " فمن اقامہا
اقام الدین ، و من ترکہا فقد ہدم الدین " اور اسی لیے یہ بات ہوئی کہ
" کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ "
(ترمذی) یعنی صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کردینے کو کفر
نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا
ارضی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

(۱) امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں (اذا اصلحت صلح الجسد کلہ ، و اذا فسدت فسد
الجسد کلہ ، الا و ہی القلب)

یہ قانون مرکزیۃ ودوائر نظام ہستی کے ہر جزء اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جاسکتا ہے - یہ نظام شمسي جو ہمارے اوپر ہے، ستاروں کي یہ گنجان آبادي، کروں کا یہ صحراے بے کنار، زندگي اور حرکت کا یہ محیر العقول طلسم، کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے؟ اسی قانون مرکزیۃ پر- متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں، ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزي نقطہ ہے - تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کررہے ہیں اور ہر دائرہ کي ساري زندگی اور بقا صرف مرکز شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے : ذلک تقدیر العزیز العلیم - خود ہماري زمین بھی ایک ایسے ھي دائرہ کي ایک کڑي ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے - ہر ستارے کے طواف و دوران کیلیے حکمت الہي نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ہے - وہ اُس سے باہر نہیں جاسکتا - سب بحکم و لہ اسلم من في السماوات والارض (۳ : ۸۳) اور ان اللہ یسجد لہ من فی السماوات و من في الارض و الشمس و القمر و النجوم (۲۲ : ۱۹) خدا کے بنائے ہوے قانون کے مطابق اپني اپنی جگہوں میں کام کررہے ہیں : لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر، و لا اللیل سابق النہار، و کل في فلک یسبحون (۳۶ : ۴۱)

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے بعد جسقدر نیچے اُترے آئیگے، اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لیکر زندگي کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالیگے، ہر جگہ زندگی اور بقا اسي قانون سے وابستہ نظر آئیگی - عالم نباتات میں درخت کو دیکھو- اسکي ایک مجتمعہ وحدۃ کتني وسیع کثرت سے مرکب ہے؟ ڈالیاں ہیں، شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں - لیکن سب کي زندگی ایک ھي مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے - جڑ سے جہاں کوئي شاخ الگ ہوئي، موت و فنا اُسپر طاري ہوگئي - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کي طرف آؤ، اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے کي بھي ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہري و باطني اعضاء سے مرکب ہے؟ جسموں اور وجودوں کي ایک پوري بستي ہے

L881

اولاً ، بحکم " القران بفسر بعضه بعضا " اولوالامر کی تفسیر خود قرآن هي کے اندر تلاش کرني چاهیے - اسي سورت میں آگے چلکر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے :

و اذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ، ولو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منهم ، لعلمه الذین یستنبطونه منهم - (۴ : ۸۶)

اور جب کوئی امن یا خوف کي خبر آن تک پهونچتي هے ، تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلادیتے هیں - حالانکه اگر وہ الله کے رسول کي طرف اور اُن لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولوالامر " هیں ، تو فوراً اصلیت کھل جاتي اور وہ اُس خبر کے سچے جھوٹے هونے کا پته لگالیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا هے جب امن و خوف یعني صلح و جنگ اور فتح و شکست کي افواهیں ملک میں پھیلتی هیں اور بے اصل خبروں کي اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فهمی پیدا هوجاتي هے - ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجه سے عهد نبوی میں بھي پیش آجاتی تھیں - پس فرمایا که جب کوئی افواہ سنو تو پہلے الله کے رسول اور اپنے " اولوالامر " تک پهنچاؤ - تا که وہ اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کرلیں اور خبر کي نوعیت اور راویوں کي حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نه کرو که جهاں کوئي افواہ سني ، فوراً اسپر یقین کرلیا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کردیا -

اب غور کرنا چاهیے که اس آیت میں " اولو الامر " سے مقصود کون لوگ هوسکتے هیں ؟ یه ظاهر هے که ذکر امن و خوف کے حالات کا هے - یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک هي سے هوسکتا هے - علما اور فقهاء سے نهیں هوسکتا - معامله نظم ملک و قیام امن کا هے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نهیں هے - پس لامحاله تسلیم کرنا پڑیگا که اولو الامر سے مقصود وهي لوگ هیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق هوتا هے ، اور جو اُن خبروں کي تحقیق کرسکتے هیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا هے - یعني ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ، کتاب و سنه اور صدر اول کے آثار عربیه پر غور کرنے سے معلوم هوتا هے که لفظ " امر " جب ایسي ترکیب کے ساتھه بولا جاے جیسی که یہاں هے ،

الحرام قیاماً للناس ـ " قیاما للناس " پر غور کرو - اور چونکہ یہ مرکز ٹہرا ' اس لیے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا - خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں ' لیکن اُنکا منہہ اسی طرف ہونا چاہیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پھر جس طرح شخصي اور اعتقادي و عملي زندگی کیلیے مراکز قرار پاے' ضرور تھا کہ جماعتی اور عملی زندگی کیلیے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا - لہذا وہ مرکز بھي قرار دیدیا گیا - تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹہرایا - اُسکي محبت ' اُسکي رفاقت ' اُسکي اطـــاعت ' اُسکي حرکت پر حرکت ' اُسکے سکون پر سکون ' اسکي طلب پر لبیـک ' اُسکي دعوۃ پر انفاق جان و مال ' ہر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا - ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاهلیۃ کی ظلمت سے نکلکر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا - اسلام کي اصطلاح میں اسي قومی مرکز کا نام " خلیفہ " اور امام ہے ' اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ہے - یعنی کتاب و سنۃ کے مطابق اُسکا حکم ہے ' ہر مسلمان پر اسکی اطاعت و اعانت اُسي طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اُسکے رسول کی :

یا ایها الذین آمنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم - فان تنازعتم في شی فردوہ الی اللـــہ و الرسول ' ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الاخر - ذلک خیر و احسن تاویلا - (۴ : ۶۳)

مسلمانو ! اطاعت کرو اللـــہ کي ' اُسکے رسول کی ' اور تم میں جو اولو الامر ہو' اُسکی - پھر اگرکسي معاملـــہ میں تم مختلف ہوجاؤ تو چاہیے کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹو اور اسکے فیصلہ پر متفق ہوجاؤ -

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے - اللـــہ کی ' رسول کی' مسلمانوں میں جو اولو الامر ہو' اسکی - اللـــہ کي اطاعت' کتاب اللہ کی اطاعت ہے - رسول کي اطاعت سے مقصود سنت قولي و فعلي ہے - باقی رہی اطاعت اولوالامر' تو نہایت قوي و روشن وجوہ موجود ہیں کہ " اولوالامر " سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا ' نظام امت قائم رکھنے والا ' اور تمام اجتہادي امور میں صاحب حکم و سلطان ہے :

نقل کیا ہے " ھم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ہوے - باقی رہا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " ھم اھل العلم و الخیر " اور مجاھد و عطاء و ابو العالیہ کا قول کہ " ھم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئي اختلاف نہیں ہے - در اصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمي قوتوں سے مرکب ہو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑي تھیں - جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولی عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کی تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے ھي افراد کو ھونا چاھیے جو اھل علم و خیر ھوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے " ابو بکر و عمر " اس سے بھي اُنکا مقصود یہی ہے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے - جیسے ابوبکر و عمر - رضي اللہ عنہما

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی باقاعدہ طوائف الملوکي قائم تھی ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ہوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باھر نہوں - قریش کی نسلی فطرہ اس اطاعت کیشي کے خلاف تھی ' اسلیے خصوصیت کے ساتھہ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلاني نے امام شافعي کا قول نقل کیا ہے " و رجع الشافعی الاول و احتج بأن قریشا کانوا لا یعرفون الامارۃ و لا ینقادون الی امیر ' فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر ' و لذلک قال صلعم ' من اطاع امیري فقد اطاعني " (فتح ۸ : ۱۹۱)

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ھی کے معنوں پر ھوتا ھے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ھے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں - نیز لغۃ کي بنا پر بھي ظاھر ھے کہ " امر " کے معني حکم کے ھیں، اور " اولی الامر " کے معني امام بخاري نے " ذوي الامر " کے کیے ھیں - یعنے " حکم والا " اور معلوم ھے کہ صاحب حکم وھي ھوسکتا ھے جو صاحب حکومت ھو -

ثالثاً ، احادیث صحیحہ سے ثابت ھے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کي نسبت اُتري ، وہ امیر جماعت کي اطاعت ھي کا معاملہ تھا - بخاري و مسلم میں ھے " عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدي اذ بعثہ النبي صلعم في سریۃ " اور امام طبري نے تفسیر میں ایک روایت درج کي ھے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کي باھمي نزاع کے بارے میں اُتري - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوري پر رکھہ لیا تھا " نزلت فی قصۃ جرت لعمار مع خالد وکان خالد امیراً فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ھوتا ھے کہ معاملہ امیر کي اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ، نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا -

رابعاً ، اکثر اقوال مرویۂ صحابۂ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ھوتي ھے - بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھي - بہت سي موشگافیاں جو پیدا کي گئی ھیں، سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ھیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ھے " سألت زید بن اسلم عنھا و لم یکن بالمدینۃ احد یفسر القران بعد محمد بن کعب مثلہ - فقال اقرأ ما قبلھا تعرف - فقرأت : ان اللہ یامر ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل - فقال ھذہ فی الولاۃ " (فتح ۱۳ : ۹۹) یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو - میں نے پڑھا " ان اللہ یامر ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ھیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ھو رھا ھے ، پس اولو الامر سے مقصود وھی ارباب اقتدار ھیں جو حکومت رکھتے ھوں - طبري نے بسند صحیح حضرۃ ابو ھریرۃ اور میمون بن مہران وغیرہ سے

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ھیں اور ھر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاھتے ھیں - بس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ھونا چاھیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاھیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ھو، اور لغۃ و عربیۃ اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ھے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذھن میں حدت پیدا ھوتی ھے - لیکن تفسیر قران نہیں ھے - قران کی تفسیر صرف وھی ھوسکتی ھے جو خود حامل قران کے علوم سے ماخوذ ھو، اور اُن لوگوں نے بتلائی ھو جنکے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ھے : رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ھے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے، تو کم از کم قران کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاھیے - یہ کیا مصیبت ھے کہ قرآن نازل تو ھوا ھو محمد عربی (صلی اللہ علیہ و سلم) پر، لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہوں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رھنمائی نہ کرے ؟

امام رازی (رح) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ھوئی ھے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھہ کیا گیا ھے، اور عطف تسویہ پیدا کر رھا ھے، پس اولو الامر ایسا ھونا چاھیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ھو، سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ھوسکتا ھے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجہ نہیں - قرآن و سنت قانون ھے، لیکن قانون بالکل بیکار ھے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت، اور ظاھر ھے کہ جو قوت نافذہ ھوگی، اسکی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ھوگی - ایک دھقانی تک جانتا ھے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ھے - بلکہ ایک سپاھی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ھوتی ھے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ھوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ھوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ھے اور وھی امام اور اُسکے نائب امراء ھیں، تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ھی نہ تھی -

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعنی امام بخاري کا بھی مذھب یہی ھے - کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " اطیعو اللـــہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو ھریرہ کی روایت درج کی ھے " من اطـــاع امیري فقد اطـاعنی " الخ جس نے میرے امیر کی اطـاعت کی اسنے خود میري اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجھسے انکار کیا - اس سے معلوم ھوا کہ اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ھی کی اطاعت ھے - حافظ عسقلانی لکھتے ھیں " فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الآیۃ نزلت فی طاعۃ الامراء ' خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء " (فتح ١٣ : ٩٩)

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت ھمارے پاس موجود ھے ' وہ امام ابن جریر طبري کی تفسیر ھے ' اور صحابۂ و تابعین کي تفاسیر پر اُنکا احاطۂ و نظر معـــلوم ' انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دي ھے -

سابعاً ' اس نکتہ پر نظر رھني چاھیے کہ تفسیر قران کے معاملہ میں جسقدر اختلافات کي کثرت اور مذاھب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ھے ' وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش دقیقہ سنجي کا نتیجہ ھے جبکہ معقولات کے شیوع اور دو یابینۂ کے علمۂ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اُس " تعمق " کي بنیادیں پوري طرح پڑ چکی تھیں جسکی نسبت کہا گیـا تھا کہ " ھلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیت کے ظہور ' عربیۂ خالصۂ و صالحہ کے بعد ' اور علوم سنہ کے ترک و ھجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یکقلم ناپید تھے - ھر آیت اور ھر لفظ کے ایک ھی صاف اور سادہ معنی تھے جو عربی لغۃ و محاورہ میں ھوسکتے ھیں اور لوگ اُس پر قانع تھے - ابداع معـــاني کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کی کاوش ھي نہیں کي جاتي تھي - نہ فرضی و تخمیني شکوک و ایرادات گڑھکر نئے نئے معاني فرض کیے جاتے تھے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائیگا جسکي عربیۂ خالص و صحیح ھو ' تو صـــرف ایک ھي معنی اُس کے ذھن میں آئینگے - یعنی صـــاحب حکومت - کسي دوسرے مفہوم کا اسے وھم بھی نہیں گزرے گا - صحابۂ و تابعین اسپر قانع تھے - لیکن امام رازي کي دقیقہ سنجي اس سہل پسندي اور لغوي سادگي پر قانع نہیں ھوسکتي - اس لیے وہ امکاني مطالب کا وسیع

غرضکہ اس ایۂ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے ' اور اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزي اقتدار ہے -

فصل

(شرح حدیث حارث اشعری)

احادیث صحیحہ سے اسکی مزید توضیح ہوتی ہے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھہ حدیثیں موجود ہیں ' اور عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات روات و حفاظ میں اسقدر آنکی شہرت رہچکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہي کوئي آور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچي ہوگی -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کي ایک روایت نقل کرونگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے ۔

قال صلی اللہ علیہ وسلـــم . " انا امرکم بخمس ' اللہ امرني بہن : الجماعـــة ' و السمع ' والطاعـــة ' والهجرة ' والجهاد في سبيل الله - فانه من خرج من الجماعة قيد شبر ' فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان يراجع ' و من دعا بدعوي جاهليه فهو من حثي جهنم - قالوا يا رسول الله و ان صام وصلي ؟ قال و ان صلي وصام و زعم انه مسلم " اخرجه احمد و الحاکم من حديث " الحارث الاشعري علی شرط الصحيحين - قال ابن کثير هذا حديث حسن و له الشواهـــد -

یعنی فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے دیا ہے - جماعت ' سمع ' طاعۃ ' ہجرۃ ' اور اللہ کی راہ میں جہاد - یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھي باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپني گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کی جماعتي زندگی کی جگہ جاہلیۃ کی نے قیدي کي طرف بلایا تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جہنمي ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا ہاں - اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' نماز پڑھتا ہو ' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو -

" فان تنازعتم " الخ سے نہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور اُمت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننہ - اسکی ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئی دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجاے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو' تو پھر اسکے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا - یعنی قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھی اسکی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت اُمت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولی الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجاے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے - یعنی کتاب و سنت کی ' اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسلیے ہے تاکہ کتاب و سنت کی اطـــاعت کی جاے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنازعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اُس حکم میں انکی اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے - قالہ الطیبی فی الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اسے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کیلیے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ و اولی الامر منکم " ؟ کیا خداے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولی الامر منکم ؟ تو بعض آئمۂ تابعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنازعتم " ؟ ہاں' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کردیے گئے جب فرمایا کہ فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول -

ملاؤ ' لیکن تیل اور پانی کی طرح همیشه الگ الگ هی نظر آئیں ' باهم ملکر ایک جان نه هو جائیں- الله تعالی نے جس طرح عناصر کو اسلیے پیدا کیا هے که باهمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل هوں ' اسی طرح افراد انسانی کو بهی اسلیے پیدا کیا تاکه آنکے باهم ملنے سے جماعت پیدا هو - " جماعت " ایک مرکب وجود هے - افراد اسکے عناصر هیں - وه بجاے خود کوئی کامل وجود نهیں رکهتا - محض ایک مبدی هے ' اور جب تک اپنے بقیه ٹکروں سے مل نه جاے کامل وجود نهیں پاسکتا - لیکن یه باهم ملنا " امتزاج " کے ساتهه هونا چاهیے - تا که هر ٹکره اپنے صحیح و مناسب ٹکره کے ساتهه ملکر اسطرح جڑ جاے که معلوم هو ' یه نگینه اسی انگشتری کے لیے تها !

" نظم " سے مقصود جماعت کی وه ترتیبی و تقویمی حالت هے جب اسکے تمام افراد اپنی اپنی جگهوں میں قائم ' اپنے اپنے دائره میں محدود ' اور اپنے اپنے وظائف و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم هوں -

اجتماع کے یه خواص و اوصاف نه تو حاصل هوسکتے هیں ' نه قائم ره سکتے هیں ' جب تک کوئی بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نه آے ' اور وه منتشر افراد کو ایک متحد ' مؤتلف ' ممزوج ' اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نه رکهے - پس ایک " امام " کا وجود ناگزیر هوا ' اور اسی لیے ضروری هوا که سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو بکهرے هوے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتهه جوڑ دینے اور اُڑتے هوے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کردینے کی قابلیت رکهتا هو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفه هے - اور پهر هر ملک ' هر آبادی ' هر گروه میں اسکے ماتحت امام جماعت هونے چاهئیں - مسلمانوں کے کسی چهوٹے سے چهوٹے گروه کیلیے بهی شرعاً جائز نهیں که بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں - حتی که اگر صرف تین مسلمان بهی هوں ' تو چاهیے که ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جاے - " اذا کان ثلاثة فی سفر ' فلیؤ مروا احدهم "

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونه مسلمانوں کو دکهلا دیا گیا - کیونکه نماز هی وه عمل عظیم هے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونه هے - کس طرح سیکڑوں هزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں ' مختلف جہتوں ' مختلف سلسلوں ' اور مختلف

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں :

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے - یعنی تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہوکر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیے- الگ الگ نہیں رہنا چاہیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھہ وہ حدیثیں ملینگی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہوکر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہو، اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے- انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا - اسلامی زندگی " جماعت " ہے -

" جماعت " سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم ہو -

" اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہوں - ایک دوسرے سے ملے ہوے ہوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہو-

" ائتلاف " کا مرتبہ " اتحاد " سے بلند تر ہے - " اتحاد " صرف باہم مل جانا ہے - ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھہ ترکیب ہوئی ہو- لیکن " ائتلاف " سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھہ اتحاد ہو- یعنی منتشر افراد اسطرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیے ' وہی جگہ اُسے ملی ہو- اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا ہی دخل دیا جاے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد ہو- ایسا نہو کہ زید کو سردار ہونا چاہیے اور اس سے چاکری کا کام لیا جاے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف جھتانک بھر جز و جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے - اسکو سیر بھر قرار دیدیا جاے -

" امتزاج " ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے - اسمیں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ہونا چاہیے - یعنی مختلف افراد کو باہم اسطرح ملایا جاے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھہ ملکر ایک متحدہ کیفیت حاصل کرسکتا ہے ' ویسا ہی مزاج اسکے ساتھہ ملایا جاے - یہ نہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہمدگر میل نہیں کھا سکتی اور اسلیے خواہ کتنا ہی دونوں کو

ہجرۃ الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے - خدا کے ہر رسول اور انکے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طی کرنی پڑی . انی مہاجر الی ربی - اور انی ذاہب الی ربی - چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جسکے ترک کرنے میں اہل و عیال ' مال و متاع ' دوست و احباب ' ہر طرح کے علاقوں کو ترک کردینا پڑتا ہے ' اور اسکی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے ' اسلیے ترک وطن کی ہجرۃ اعلی اور جامع قسم کی ہجرۃ ہوئی ' اور زیادہ تر مہاجرۃ کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا - " ولکل امری ما نوی - ومن کانت ہجرتہ الی اللہ و رسولہ ' فہجرتہ الی اللہ و رسولہ ' و من کانت ہجرتہ لدنیا یصیبہا ' او امرأۃ یتزوجہا ' فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ" (بخاري عن عمر رض) یعنی ہر شخص کیلیے وہ ہے جسکی اس نے نیت کی - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہجرۃ کی تو اسکی ہجرۃ اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہوئی ' اور جس نے اسلیے گھر چھوڑا کہ دنیا کماے یا نکاح کرے ' تو اسکی ہجـــرۃ اسي کام کیلیے ہوئي جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر ہجرۃ کے بھی اقسام ہیں اور مراتب - بعضہا فوق بعض - کتاب و سنت اسکی تفصیل سے لبریز ہیں - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں -

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے - "جہاد" جہد سے ہے جسکے معنی " استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً و باطناً " ہیں (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کے دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقي رکھنے کیلیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے - مال سے بھی ہوتی ہے - جان سے بھی ہوتی ہے - جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو - ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے - " و جاہدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم " (رواہ ابوداؤد ' و احمد ' و نسائی ' و ابن حبان ' عن انس)

یہ کہنا ضروري نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاؤ قیام کي اصلي بنیاد ہیں - دنیا میں کوئي قوم زندہ نہیں رہسکتي جسکی قومي ہستي ان پانچ عنصروں سے مرکب نہو - سعی و عمل کا کوئي گوشہ ہو ' کامیابي بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی - تم مٹھی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالي کي تحقیق کے ' مگر کوئي چیز بھي بغیر

ایاسرن میں آتے ھیں ' لیکن دکایک صداے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادي جسم میں تبدیل کردیتي ھے - یہانتک کہ ھزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کي صورت اختیار کرلیتا ھے - سب کے وجود ایک ھی صف میں جڑے ھوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ھوے ' سب کے قدم ایک ھی سیدھہ میں ' سب کے چہرے ایک ھي کي جانب - قیام کی حالت ھے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ھیں ' جھکاؤ ھے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکي ھوئي ھیں - ظاھر کے ساتھہ باطن بھي یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک ھی کي یاد میں محو ' سب کي زبانیں ایک ھي کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک ھی وجود امام کا نظر آتا ھے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کي باگ ھوتي ھے - جب چاھے سب کو جھکا دے - جب چاھے سب کو اٹھا دے -

اسلام کی زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع ھے - انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ھے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ھیں - لیکن شواھد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

(۲) دوسري چیز " السمع " ھے - یعنی امام جو احکام دے ' اسکو سننا ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم ' دونوں کی طرف توجہ دلائي ھے اور امام کي معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ھے -

(۳) تیسری چیز " طاعت " ھے - یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری ' اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اُس کے سپرد کردینا ' اور اس کے ھر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں ھے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة فی المعروف "

(۴) چوتھی بات " ھجرة " ھے - ھجرة ھجر سے ھے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ھیں " الھجر والھجران مفارقة الانسان غیرہ ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المھاجرة' مصارمة الغیر و متارکة " (۵۵۸) اسلام کي اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسي مقصد اعلی کیلیے اپني دنیوي محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو ' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

و سلوک نے " مشہد وحدۃ " کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزرکر حقیقت تک پہنچ جاے ' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کرکے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کرلے - بعد ازاں سارے نزاعات و اختلافات دور ہو جائیں ' اور سخت سے سخت متنازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ھی ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت ' تعلیم ' اطاعت ' ھجرت ' اور جہاد ' دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ھیں ' جنکی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ھوسکتا - دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ھے جس نے انسے الگ رھکر کامیابی حاصل کی ھو - ھر عقل نے انکا اقرار کیا ہے ' ھر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے ' اور ھر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رھی ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ھے ' انسے دنیا کو اختلاف ہے ' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی - اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ھو جاے -

اس نظام میں پہلی چیز " جماعت " ھے جسکی مختصر تشریح اوپر گزر چکی - غور کرو ' دنیا کا کونسا کام ایسا ھے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ھے ؟ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادے معنی جو ھوسکتے ھیں ' صرف انہیں پر غور کرلو - سوسائٹی ' پارٹی ' کمیٹی ' کلب ' انجمن ' کانفرنس ' پارلیمنٹ ' بلکہ قوم ' ملک ' فوج ' ان سب سے مقصود کیا ھے ؟ یہی کہ " جماعت " اور " التزام جماعت " - وحشی قوموں تک کو دیکھیے ھو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ھوجاتے ھیں ' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ھیں - پھر جماعت بے سود ھے اگر اسکا نظام نہو اور کوئی سردار و رھنما نہو - تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ھو ' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ھو اور رکھتے ھو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لیگے ' وہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ھو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

جماعت، اطاعت، هجرة، اور جهاد کے حاصل نه هو سکیگي - دنیا نے آجتک جو کچھه پایا هے، غور کرو گے تو وہ سب انهی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج هیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کي ایک سب سے بڑي علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت هے - طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شهد و عسل سے زیادہ نهیں - یعنی سچائی هر جگه اور هر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک هي هے، لیکن بھیس مختلف هوگئے هیں اور نام متعدد - مصیبت یه هے که دنیا معاني کي جگه لفظوں کي پرستش کرتی هے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک هی حقیقت کے هیں، لیکن محض ناموں کے اختلاف کي وجه سے باهمدگر لڑ رهے هیں - ایک کهتا هے شهد - دوسرا کهتا هے عسل - مگر کوئي نهیں جو دونوں کو سمجھا دے که مقصود دونوں کا ایک هی هے - اختلاف مسمی میں نهیں هے - صرف اسم میں هے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا هے، لیکن اپني اصطلاح و رسم میں کسی خاص لقب سے پکارتا هے - وهی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کي جاتي هے تو فوراً انکار کردیتا هے اور اپنا فرض سمجھتا هے که اس سے هر طرح نفرت کرے - مذاهب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک، هر جگه یهي علت کام کر رهي هے - اگر کبھي ایسا هوسکے که ظواهر و اسماء کے تمام پردے اٹھادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب هوکر سب کے سامنے آ جائے، تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم هو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکھه لیں که سب کا مطلوب ایک هي هے اگرچه بھیس مختلف هیں، اور سب کا مقصود ایک هی هے اگرچه نام بهت سے هیں -

عباراتنا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

علوم و حقائق کے مشاهد و مناظر میں یه مشهد سب سے اعلی و ارفع مقام رکھتا هے - اسی کو شاہ ولي الله رحمة الله علیه "علم الجمع بین المختلفات" سے تعبیر کرتے هیں (۱) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

(۱) تفهیمات میں لکھتے هیں "لما تمت بي دورة الحکمة، البسني الله خلعة المجددیة، فعلمت علم الجمع بین المختلفات"

ملکوں کا عروج ' قوموں کی بالا دستي ' تمدن کی وسعت ' في الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات هیں ؟ اگر کہو نظري چهوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل هجرت کے - اگرانسان اور انسانونکی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں هزاروں قربانیاں نہ کی هوتیں ' هر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کرجاتے ' ابدی ساري خواهشوں او ر ولولوں کو ترک نہ کردیتے ' گهر کے عیش ' اهل و عیال کی محبت ' خویش و یگانہ کي الفت ' او ر ملک و وطن کي دامنگیریوں سے بالکل آزاد هوکر راہ هجرت میں قدم نہ اُٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کي جگہ جہل هوتا ' تمدن کي جگہ وحشت هوتي ' آبادیوں کي جگہ جنگل هوتے ' او ر ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بهي کرۂ ارضي کی پیٹھہ پر نظر نہ آتي - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود هیں ' اُن سب کی تکمیل کیونکر هوتي اگر ولولۂ هجرت سے انسان کا قلب خالي هوتا ؟ کتنے هی انسانوں نے اپنے گهروں اور وطنوں سے هجرتیں کي هیں ' دنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو چهان مارا هے ' جب کہیں جا کر فن طب کي تکمیل هوئي هے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل هوا هے - اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے ' اور گهر کے آرام و راحت کي جگہ سفر و غربت کي صعوبتیں گورا نہ کرلیتے ' تو اشیـــاء کی تحقیق کیونکر هوتی ؟ پیدا وار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتي ؟ جغرافیـہ کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیـــات کے تعارف کی جزئیـــات کیونکر جمع هوسکتیں ؟ نئي نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طـــرح راہ کهلتی ؟ کولمبس اگر هجرت نہ کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تها - یورپ اگر هجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کي سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ هوتا - اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مهاجرت نہ کرتیں ' تو آج تمام دنیا کي دولت اُن کے گهروں میں کهنچکر نہ جاتي - یہ کیسي عجیب بات هے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہـــاجرین کشف کے ڈیڑہ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور نکسر قربان و هلاک هو جائیں ' تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستي کی انتہـــا هے ' لیکن اگر اُسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ " هجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمهارے نزدیک یہ تو تمدن هے کہ دریاے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گهر بار چهوڑ دیں اور هلاک هو جائیں ' لیکن یہ وحشت هے کہ قیام حق اور اشاعت

اسکي اطاعت ماتحتوں کیلیے فرض سمجھتے ھو اور یقین کرتے ھو کہ بغیر اسکے فوج کا نظام قائم نہیں رھسکتا - پانچ دس آدمي بھي اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ھیں ؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ھے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو ا خود تمھارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سي آبادي ھے ؟ اگر بیوي تمھارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ھو ؟ اگر گھر کے لوگ تمھارے کہے پر نہ چلیں' تو تم کیوں لڑتے ھو ؟ تم کہتے ھو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں - روزخانہ جنگي ھوتی ھے - یہ سب کیوں ھے ؟ صرف اسلیے کہ " الجماعـــة ' و السمــــع ' و الطاعـــة " کوئی جماعت امن و نظم نہیں پاسکتي جب تک اسکا کوئی امیر نہو' اور جب تک امیر کي اطاعت نہ کی جاے - گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ھے - تم گھر کے بڑے ھو - یعنی امیر ھو - پس گھر کی عافیت و کامیابي اسپر موقوف ھے کہ سب تمھاري سنیں اور تمھارے کہے پر چلیں -

" ھجرت " کا لفظ کسقدر تمھارے لیے نا آشنا اور نا مانوس ھے ؟ تم سمجھتے ھو کہ یہ دنیا کے اس عہد جہل و وحشت کی یادگار ھے جب مذھبی جذبات کی دیوانگي نے تمـــدنی احساسات کو مغلوب کردیا تھا ' اور انسان دین پرستي کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگي تک کو قربان کردیتا تھا - لیکن بتلاؤ ' اب دنیا کی اعلی سے اعلی علمی و تمدني ترقیاں بھي تم کو جس راہ کي طرف بلا رھی ھیں ' وہ " ھجرت " کی حقیقت سے کب خالی ھیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ھے ؟ " ھجرت " سے مقصود یہ ھے کہ اعلی مقاصد کي راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ' اور حصول مقاصد کي راہ میں جو چیزیں حائل ھوں ' اُن سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت ھو ' مال و دولت ھو ' نفساني خواھشیں ھوں ' حتی کہ قوم ھو ' ملک ھو ' وطن ھو ' اھل و عیال ھوں ' سب کو چھوڑ دینا - پھر بتلاؤ ' علم و عمل کا کون گوشہ ھے جس میں کامیابي بغیر اس جذبہ کے ملسکتی ھے ؟ انسان کي مطلوبات میں سے کوئي چھوٹي سے چھوٹي چیز بھي ایسی بتلاسکتے ھو جو بلا ھجرت کے مقام سے گذرے اُسکے ہاتھ آسکتی ھو ؟ یہ دنیا کی علمي و تمدنی ترقیاں ' حیرت انگیز اکتشافات ' انقلاب انگیز ایجادات ' دولت کی فراواني ' تجارت کی عالمگیري ' نئي نئي آبادیوں کا قیام ' طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ' پھر

اسی قوم کو باقی رہنا چاہیے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو - غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیے اور قانون الہی کا ہاتھ پکڑ کر مٹا دینا چاہیے - ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں : لیظہرہ علی الدین کلہ - پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوتے ہو؟ کیوں اس قدرتی قانون ہستی کے ذکر میں تم کو قتل و غارتگری کی دہشت ناکی نظر آتی ہے؟ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نو آبادیوں سے بھر دیں ' اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں - اسکو تو تم گوارا کرلو' لیکن اگر اسلام کہے کہ " ان الارض للہ و لرسولہ " خدا کی زمین حق پرستوں کیلیے ہے - کفر و ضلالت کے پرستاروں کیلیے نہیں ہے ' تو تم اسکو وحشت اور خوفناکی کہو؟

فصل

(جماعت و التزام جماعت)

یہاں ایک اور اہم اور قابل غور امر یہ بھی ہے کہ اس حدیث اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعت خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اسکے عکس کو جاہلیہ - جاہلیۃ کی زندگی میں ہلاکت کا اصلی تخم کیا تھا؟ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہم دگر علحدگی' اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہونا - اسلام نے ظاہر ہوکر زندگی کی جو تخم ریزی کی ' وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کردیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکادیے . واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداً ' فالف بین قلوبکم ' فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا " الخ -

پس جاہلیۃ کا دوسرا نام تفرقہ ہوا ' اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی' اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہوگیا '

صداقت کی راہ میں الله کے بندے ترک وطن کریں ؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دریافت کرلے ' تو تم اسکی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علـــم پرستی ہے - لیکـــن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اُس عازم صـــادق کیلیے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کیلیے نہیں بلکہ قانون نجات عـــالم کیلیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے ؟

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑی بنیاد " کالونیل سسٹم " کو تقین کرتا ہے - یعنی نو آبادیوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسی کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے - لیکن نو آبادیوں کے اُصول کے کیا معنی ہیں ؟ یہی کہ ترک وطن کرکے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا ' اور قومی دولت و طاقت کو بڑھانے کیلیے دنیـــا میں دور دور تک پھیل جانا - اب غور کرو کہ یہ وہی "ہجرت" اور ترک وطن کی بات ہوئی یا نہیں ؟ اور " الجمـــاعۃ ' و السمع ' و الطاعۃ ' و الہجرۃ " پر دنیا عمل کررہی ہے یا نہیں ؟ نام مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے -

"جہاد" کے معنی یہ ہیں کہ دفع اعداء میں اپنی جان و مال سے کمال درجہ سعی و محنت کرنا - کیا دنیا میں کوئی قوم ' کوئی ملک ' کوئی جماعت ' کوئی قبیلہ ' کوئی خاندان ' کوئی گھر ' کوئی انسان ' بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہـــاد کے زندہ و قائم رہسکتی ہے ؟ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقاؤ قیـــام کی اصلی بنیـــاد سمجھتے ہو ' اُسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ " جہاد " سے تعبیر کیا ہے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ولیس تنازع البقـــاء (Struggle for existence) اور انتخاب طبیعی (Natural Selection) اور بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزار حیات میں بقـــا صرف اصلح و امثل کیلیے ہے ' تو تم پوری طـــرح کان دھرتے ہو ' اور فطـــرۃ کے قتل و غارت کا افسانۂ خونین تم کو پریشـــان خاطـــر نہیں کرتا - لیکن اُسی حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ جو قانون الہی زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پـر نافـذ ہے ' اُس سے جمعیت بشری کیونکر بری ہوسکتی ہے ؟ پس دنیا میں

گزرا ہے ' اسکو عہد جاهلیة کہتے هیں - بس مطلب یه هوا که عرب جاهلیة کي طرح گمراهی پر موت هوئي) دوسری روایت میں ہے - اگر کوئی شخص اپنے امیر کو ایسي بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نه آے تو چاهیے که صبر کرے - اسکي اطاعت سے باهر نہو - کیونکه جو کوئي سلطان اسلام کي اطاعت سے بالشت بھر بھی باهر هوا اور اسي حالت میں مرگیا ' تو اسکي موت جاهلیة کي حالت پر هوئی - حضرۃ ابن عمر کی روایت میں ہے :

" من خلع یدا من طاعة ' لقي الله یوم القیامة و لا حجة له ' و من مات و لیس في عنقه بیعة ' مات میتة جاهلیة " جس نے خلیفه کي اطاعت سے هاتھه کھینچا ' یعنی اطاعت نه کي ' تو قیامت کے دن وہ الله کے سامنے حاضر هوگا اور اسکے لیے کوئی بچاؤ نہوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا که خلیفه کی بیعت و اطاعت کے حلقه سے اُسکی گردن خالی هوئی ' تو یقین کرو که اسکي موت جاهلیة کي موت هوئی -

" من فارق الجماعة شبرا فکانما خلع ربقة الاسلام من عنقه " (ترمذي) جو جماعت سے بالشت بھر بھي باهر هوا ' اس کا حکم یه ہے که گویا اس نے اسلام کی اطاعت کا حلقه اپني گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں ہے " دخل النار " (اخرجه الحاکم علي شرط الصحیحین) یعنے جو خلیفه کي اطاعت سے باهر هوا ' اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء - کلما هلک نبي ' خلفه نبی - و انه لا نبی بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا ببیعة الاول فا لاول ' ثم اعطوهم حقهم ' فان الله یسائلهم عما استرعاهم " (متفق علیه) بنی اسرائیل کي رهنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبی گیا تو دوسرا اُسکي جگه مامور هوا - لیکن میرے بعد کوئي نبی نہیں ہے - البته خلفاء هونگے - لوگوں نے عرض کیا - هم کو اُنکی نسبت کیا حکم هوتا ہے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کی یعنی جس کی حکومت پہلے مان لي گئی ' اُسکی اطاعت مقدم ہے - پھر کسي دوسرے کو خلیفه نه مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچھه حق ہے ' وہ اُنکے حوالے کرو - یعني اُنکي اطاعت کرو - زکواۃ و خراج وغیرہ اُنهي کو دو -

انکے علاوہ بے شمار احادیث هیں - اجماع کے شواهد اور کتب عقائد و فقه کے اقوال نقل نہیں کیے گئے که مشہور و معروف هیں ' اور احادیث کے بعد اُنکي ضرورت بھي نہیں -

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاھلیۃ پر ہوگی- اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو- مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح نہ ہیں : -

" من اطاعنی فقد اطاع اللہ ، و من اطاع امیری فقد اطاعنی ، و من عصی امیری فقد عصانی " (صحیحین عن ابی ھریرہ) جس نے میری اطاعت کی ، اُس نے اللہ کی اطاعت کی ، اور جس نے میرے امیر کی (یعنی میرے نائب کی) اطاعت کی ، اسنے خود میری اطاعت کی ، اور جس نے امیر سے روگردانی کی، اس نے میری اطاعت سے انکار کیا - یعنی امیر المـــومنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے - مسلم کی ایک روایت میں " امیری " کی جگہ صرف " الامیر " ہے - یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو، اُسکی اطاعت -

" إسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ " (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمھارا امیر بنا دیا جاے ، تو چاھیے کہ اسکی سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے - اسی لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے - حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر (جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور ایک آخری اور وداعی پیام دنیا کو سنا رہے تھے) فرمایا " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ ، اسمعوا و اطیعوا " (مسلم) اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جاے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھہ تم پر حکومت کرے ، تو اُسکی سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعہ و فارق الجماعہ ، فمات ، مات میتۃ جاھلیۃ " و عن ابن عباس " من رای من امیرہ شیئًا یکرھہ ، فلیصبر ، فانہ من فارق الجماعہ شبرا ، فمات ، فمیتۃ میتۃ جاھلیۃ " و فی لفظ " فانہ لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیہ ، الا مات میتۃ جاھلیۃ " (متفق علیہ) یعنی جس نے جماعت کا ساتھہ چھوڑ دیا ، خلیفہ کی اطاعت سے باھر ہوگیا ، اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ، تو اُسکی موت جاھلیـۃ کی موت ہوئی (اسلام سے پہلے اہل عـرب پر جو زمانہ

ہے ' ظالم ہے ' جابر ہے ' شرائط خلافت اُسمیں نہیں پاے جاتے ؟ تو اُسکی اطاعت کرنی چاہیے ' یا اُس پر خروج کرنا چاہیے ؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اُسکے ماتحت وہ تمام کام انجام پاسکتے ہیں یا نہیں جو از روے شرع خلیفۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں ؟ اُسکو زکواۃ دینی چاہیے ؟ اسکے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے ؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیے ؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا ' اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنہ ے شمار اور بالکل واضح ہیں - اسی لیے جب خلافۃ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبرو استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی ' تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خـــاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو ' فوراً یکسوئی کے ساتھہ فیصلہ کرلیا - جو کچھہ اُنھوں نے بتلایا اور کیا ' اُسی پر اجماع امت کی مہر لـگ گئی ' اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا ' مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم ترین منصب کیلیے قدرتی طور پر ہونا چاہئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے ' اسلیے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلاے گئے - مثلاً اسلام ' علم و نظر ' عمل و تقوی ' شجاعت و صولۃ ' عدالۃ و ایدار ' قدرت و نفوذ ؛ طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے ہیں " و بشرط ان تکون من اہل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ بان یکون مسلماً ' حراً ' ذکراً ' عاقلاً ' بالغاً ' سائساً بقوۃ رائہ و رویتہ ' ومعونۃ باسہ و شوکتہ ' قادراً بعلمہ و عدالتہ و کفایتہ و شجاعتہ علی تنفیذ الاحکام ' و حفظ حدود الاسلام ' و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم " الخ - کذا فی شرح المواقف ' و النسفی ' و التمہید ' و شرح فقہ الاکبر للقاری ' و شرح المقاصد - و من کتب المحدثین شرح عقیدہ ابن عقیل ' و فتح الباری '

فصل

(شرائط امامت و خلافة)

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنة اور اجماع امة پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافة کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں - اور قدرتی طور پر بھی دو صورتیں اس مسئلہ کی ہوسکتی ہیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے - اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی - یعنی قوم اور قوم کی اصحاب الراے جماعت (اہل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہیے - بحکم و امرهم شوری بینهم - بنیاد تمام امور کی شرعا شوری یعنی باهمی مشورہ ہے - نہ کہ نسل و خاندان - خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت میں ہوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اہل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوری نے کیا - خلیفۂ چہارم کے ہاتھ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی - نسل، خاندان، ولی عہدی، کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا - اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتی، یا دوم و سوم کے خاندان میں، مگر ایسا نہیں ہوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اسکا موقعہ نہ دیا کہ انکے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے - وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ہی نہیں ہوسکتا -

پس پہلی صورت یہ ہے کہ اگر صحیح نظام شرعی قائم ہو جو خالص جمہوری ہے، اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے، تو کیسا شخص منتخب کرنا چاہیے ؟ اور اسمیں کیا کیا اوصاف ہونا چاہیئیں ؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رہا ہو - قوم کی راے اور انتخاب کو اسمیں دخل نہو - محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تخت خلافت پر قابض ہوجاے، تو اس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے ؟ اگر وہ اہل نہیں

هر مسلمان پر راجب هے کہ اُسی کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرے ' اُسی کے سامنے گردن اطاعت جھکاے - بالکل اُسي طرح ' جیسے ایک اهل و مستحق خلیفہ کے آگے جھکنا چاهیے - اطاعت و اعانت کي وہ تمام باتیں جو منصب خلافت کے شرعي حقوق میں سے هیں ' اسے خلیفہ کو حاصل هوجاتي هیں - اُس سے روگردانی کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں - اُسکے مقابلے میں خروج اور دعوے کا حق کسي کو نہیں پہنچتا - اگرچہ کیسا هي افضل اور جامع الشروط کیوں نہ هو - جو کوئی ایسا کرے ' مسلمانوں پر راجب هے کہ اُسکے مقابلے اور قتل میں خلیفہ کا ساتھہ دیں - وہ شرعاً باغي هے - اُسکو قتل کردینا چاهیے -

شریعت نے دوسري صورت میں یہ حکم کیوں دیا ؟ اسکي علت و مصلحت اسقدر واضح هے کہ شرح و تفصیل کي حاجت نہیں - شریعت اور اُمت کا قائم و باقي رهنا حکومت کے وجود و قیام پر موقوف تھا - ساري باتیں شاخ هیں - جڑ یہی مقام و منصب هے - پس اسکے لیے ایک نظام شرعي مقرر کردیا گیا جو بہتر سے بہتر نظام هوسکتا هے - یعني اسلامی حکومت کی بنیاد جمہور اور شوریٰ کے انتخاب پر رکھی - شخص ' نسل ' تسلط ' اقتدار ' اور بادشاهي و ملوکی کو اسمیں دخل نہیں - ساتھہ هی اس منصب کی اهلیت کیلیے تمام ضروری شرطیں اور صفتیں بھی بتلادیں کہ اپنا خلیفہ بناؤ تو ایسے شخص کو بناؤ - ایسے کو نہ بناؤ جو اُسکي اهلیت نہ رکھتا هو - پھر دوسرے زور کے ساتھہ اسکا بھی اعلان کردیا کہ لوگوں کو خود خلیفہ بننے اور امارت و سرداري حاصل کرنے کا خواهشمند نہ هونا چاهیے - نہ دعویدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاهیے - آنحضرة همیشہ اس عہد پر لوگوں سے بیعت لیتے " لا ننازع الا من اهلہ " سرداري کا جو اهل هوگا ' اسی پر سرداري چھوڑ دینگے - دنیا اگر اس چھوٹے سے جملہ پرعمل کرے تو روے زمین کے سارے جھگڑے ختم هوجائیں - امام بخاري نے کتاب الاحکام میں باب باندھا هے " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " (۱) اور

---

(۱) حق یہ هے کہ بقول علامۂ ابن خلدون صحیح بخاري کی شرح و تفسیر کا قرض ابتک اُمت کے ذمہ باقی هے - بے شمار شرحوں اور حاشیوں کے بعد بھي یہ قول ویساهي صحیح هے ' جیسا ابن خلدون کے عہد میں تھا - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئي احاطہ نہ کرسکا - هر کتاب ' هر باب '

و شرح منظومة الاداب ' و خلاصه ابن مفلح ' و نیل الاوطار ' و بلوغ المرام للشوکانی ' و الاقناع و شرحه ' وغیرهم - یعنی ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیئے جس میں حسب ذیل اوصاف پاے جائیں - مسلمان ہو ' آزاد ہو ' مرد ہو ' عاقل و بالغ ہو ' صاحب راے و نظر ہو ' تدبیر و انتظام کی پوری قوت رکھتا ہو ' احکام شریعت کا محافظ ہو ' انکے جاری و نافذ کرنے اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دشمنوں کی روک تھام کیلیے جسقدر علمی و عملی قوتوں کی ضرورت ہے ' وہ سب اُس میں موجود ہوں - اتباع شریعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و ہمت ' شوکت و صولت ' ساری صفتیں ہونی چاہیئیں -

جس وقت تک خاندان عباسیہ کی خلافت باقی رہی ' یعنی خلافت خاندان قریش و عرب میں رہی (سنہ ۶۴۰ ھ مطابق سنہ ۱۲۴۳ع - تک اور اس کے بعد بھی کچھہ عرصہ تک بوجہ بقاء خلافت عباسیۂ مصر) علمــــاء اسلام کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال رہا کہ بموجب حدیث " ان ھذا الامر فی قریش " خلیفہ کو قرشی بھی ہونا چاہیئے - یعنی اگر مسلمان خلیفہ مقرر کریں ' تو جہاں اور بہت سی باتیں اُسمیں ہونی چاہیئیں ' وہاں یہ بات بھی ہو کہ خاندان قریش میں سے ہو -

اسی طرح جماعت امامیہ اس طرف گئی کہ خلافت آئمۂ اہل بیت نبوۃ کیلیے منصوص ہے - اُنکے اعتقاد میں آنحضرۃ صلعم کے بعد حضرۃ علی علیہ السلام کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا - اور اُنکے بعد اُنکی نسل کے آئمۂ عترہ رضی اللہ عنہم کو -

زیدیہ اسطرف گئے کہ بنی فاطمہ یعنے تمام سادات مستحق خلافت ہیں - آئمۂ عترۃ کی خصوصیت ضروری نہیں - اور شرطوں کے ساتھہ صرف اسقدر کافی ہے کہ امام سید یعنی بنی فاطمہ میں سے ہو -

لیکن دوسری صورت میں (یعنی اگر نظام شرعی کی جگہ ملکی قبضۂ وتسلط کی صورت پیدا ہوجاے ' اور جمہور کو انتخاب و نصب کا موقعہ نہ ملے ' تو اُس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے ؟) سو اسکی نسبت چونکہ خود احادیث صحیحہ اور اجماع صحابۂ و عترۃ بالکل صاف صاف موجود تھا ' اسلیے تمام اُمت بلا اختلاف اس پر متفق ہوگئی کہ جب ایک مسلمان منصب خلافت پر قابض ہو جاے اور اُسکی حکومت جم جاے ' تو

نہیں آیا - یہ نظام تیس برس سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں ' اسلیے شرع و ملت کی حفاظت کیلیے ضروری تھا کہ نظام اصلی پر زور دیدے کے

[بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵]

مفہوم ہے ' اور جسکو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر کرتا ہے - ترجمۂ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھی لاے " و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق ہونا چاہیے - اگر خلاف ہو تو فسق ہے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنہ ہے : " یعلمہم الکتاب والحکمۃ " پس ثابت ہوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت و منہاج نبوۃ پر ہونی چاہیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل احادیث تھیں ' وہ چونکہ اُنکی شروط کے مطابق نہیں لی جا سکتی تھیں' اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع ھی پر رکھتے ھیں ' اسلیے آثار و موقوفات بھی نہیں لے سکتے تھے ' پس مشہور حدیث " لا حسد الا فی اثنتین " الخ درج کرکے فضاء بالحکمۃ کی اہمیت و مطلوبیت واضح کردی - جب یہ مقدمات طے ہوچکے ' تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کی اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کردی گئی ہے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ " اُمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے - بجز اُس حکم کے کہ معصیت ہو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لاے ہیں جنمیں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اہل ہو یا نا اہل' جامع الشروط ہو یا فاقد الشروط ' عادل ہو یا جابر ' مکروہات کا حکم دے یا محدودات کا ' جب تک وہ مسلمان ہے ' نماز قائم رکھتا ہے ' اُسکی اطاعت کرنی چاہیے - کسی مسلمان کیلیے اُسکی اطاعت سے باہر ہونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب تین باب آتے ہیں - " من لم یسأل الامارہ أعانہ اللہ " دوسرا " من سأل الامارۃ وکل الیہا " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " حاصل ان تینوں عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفۂ و امام کی ضروری صفتیں اور شرطیں بتلا دی ہیں ' وہاں اِس سے بھی روکدیا ہے کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ عبد الرحمن بن سمرۃ سے کہا " جو اہل اور احق ہو ' اُسی کا ساتھ دو - خود اپنے لیے خواہاں نہ ہو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے " پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ہوگیا کہ اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے :

ابو موسی کي روایت لاے ھیں جس میں آپنے فرمایا : " انا لا نولي ھذا من سأله ، و لا من حرص علیه " جو شخص خود اس حدز کا طالب ھو یا اسکي حرص رکھتا ھو ، اسکو میں یه کام سپرد نه کرونگا - مقصود اس سے یه تھا که جب لوگ خود طلب و حرص نه کرینگے تو کشمکش اور مقابله بھي نه ھوگا ، اور امت کیلیے نہایت آسان ھوجائیگا که اھل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلۂ خلافت کا اصلي نظام شرعی یه تھا - اگر یه قائم ھو تو دنیا امن و سکون کي بہشت بن جاے - لیکن چونکه معلوم تھا که ابھي وہ وقت

[بقیه نوت صفحه ۴۵]

ابواب کی ھر ترتیب ، اور ھر ھر عنوان و ترجمه ، اس فقیه الارض و اعجوبة الدھر کي فقاھة ربانی کي ایک آیۂ باھرہ و حجۂ قاھرہ ھے - اسی مسئلۂ خلافت کو سامنے لاؤ ، اور دیکھو ، کس دقت نظر کے ساتھہ محض ترتیب ابواب ھی میں اسلام کا نظام شرعی واضح کردیا ھے اور ساري مشکلات حل کردي ھیں ؟ سب سے پہلی بات یه بھي که اسلام کا نظام مرکزیۃ اس بارے میں کیا ھے ؟ تو پہلا باب " اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " کا باندھا ، اور " من اطاع امیري فقد اطاعني " الخ کی روایت درج کرکے بتلادیا که مرکز کتاب الله ھے ، رسول ھے ، اور پھر خلیفۂ و امام ھے - " اولوالامر " خلیفه کے سوا کوئي نہیں - اسکی اطاعت (بشرطیکه کوئي خلاف شرع حکم نہو) مثل خدا و رسول کی اطاعت کے فرض ھے - پھر باب باندھا " الا مراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والی روایت لاے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش مین دین قائم رکھنے کی اھلیت رھیگی ، خلافت بھي انھی میں رھیگی - یعنی واضح کردیا که ایک خاص مدت تک قرشی خلافت کی پہلے سے خبر دیدي گئی ھے ، مگر خلیفه کا قرشی ھونا کوئي شرط اصلي و تشریعی نہیں - صرف پیشین گوئی ھے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مشروط - اسکے بعد ایک نہایت ھی اھم اور دقیق نکته کی طرف متوجه ھوے اور باب باندھا " أجـــر من قضی بالحکمـــة " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کي اصلي علت لـوگ نه سمجھے - منصب خـلافت کے ابدات کے بعد یه چیز سامنے آني تھي که اعمال خلافت کي بنیاد کیا ھے ؟ اور اسکا طریق کس منہاج سے ماخـــوذ ھے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاھتے ھیں که بنیاد آسکي طریق " حکمت " پر ھے - یعنی انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلي اور وسیع

نزاع کے اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور مزید جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب ہو جاتا ہے - مگر ساتھ ہی غیر مستحق کی خلافت اور غیر نظام شرعی کے قائم ہو جانے سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں -

لیکن اگر خلافت تسلیم نہ کی جائے ' اُن پر خروج کرنے کی اجازت دیدی جائے ' اور اطاعت امت کا مستحق صرف اہل اور جامع الشروط خلیفہ ہی کو قرار دیا جائے ' تو پھر دائمی کشت و خون ' جنگ و قتال ' دعوؤں میں تصادم ' قوتوں میں تزاحم ' ہمیشگی کی بد امنی ' کبھی ختم نہ ہونے والی طوائف الملوکی اور انارکی ' امت کی تباہی ' ملکوں کی خرابی ' نظام جماعت کا اختلال ' احکام شرع کی تعطیل ' مسلمانوں کے جان و مال کی بد امنی ' اندرونی حالت جنگی کی وجہ سے دشمنوں کا حملہ و تسلط ' اور اسی طرح کی بے شمار ہلاکتوں اور بربادیوں کا ہمیشہ کیلیے دروازہ کھل جاتا ہے - مگر ساتھ ہی اسکی امید بھی کی جاسکتی ہے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم ہو جائے اور نا اہلوں کی جگہ کسی اہل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے -

پہلی صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول ' مگر خرابیوں کا امکان تھا -

دوسری صورت میں خرابیوں کا وقوع ' مگر مصالح کا امکان تھا -

اسلام نے پہلی صورت اختیار کی ' اور پوری قوت و اصرار کے ساتھ دوسری راہ مسدود کردی - یعنی مصالح کے امکان پر اُنکے وقوع کو ترجیح دی -

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بھی ایسی ملسکتی ہے جو شریعت کے اس فیصلہ کو غلط بتلائے ؟ اللہ کی شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد ہے - یعنی ہمیشہ فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا - اور جب مصالح کے ساتھ مفاسد بھی جمع ہو جائیں ' تو جس راہ میں مصالح زیادہ ہوں اور خرابیاں کم ' اُسیکو اختیار کرنا - تمام احکام کا محور یہی اصل ہے - پس اگر پہلی راہ اختیار کی جاتی اور خلیفہ کی اطاعت کیلیے خلیفہ کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب ہونا شرط قرار دیدیا جاتا ' تو اسکا کیا نتیجہ نکلتا ؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعی درہم برہم ہوچکا تھا - ہر دماغ میں حرص و دعوا ' اور ہر ہاتھ میں تلوار تھی - یہی نتیجہ نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکی پھیل جاتی - ہر شخص یہ کہکر کہ خلیفہ اہل و مستحق نہیں ہے ' بغاوت کیلیے اُٹھ کھڑا ہوتا - تمام امت

ساتھہ اُن وقتوں کیلیے بھي صاف صاف احکام دیدیے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقي نہ رہے ' اور جمہوري حکومت کي جگہ شخصي و استبدادي طریقہ قائم ہو جاے -

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہي راہیں سامنے آتي تھیں - اگر ایسے لوگونکي خلافت تسلیم کرلي جاے تو اس سے اُمت کی جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کی حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں ' کیونکہ بلا کسي

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)

(الف) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ہے - اسکی اطاعت فرض ہے -

(ب) خبر دیدي گئی تھي کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہیگي ' خلافت پر قابض رہینگے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

(ج) بنیاد معاملۂ خلافت کی " حکمت " پر ہے - وہ حکمت کہ و یعلمهم الکتاب و الحکمة - یہ نیابت نبوت ہے ' اور اعمال و سنہ نبوت ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ہے - پس ضرور ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنہ پر ہو - بدعہ و احداث پر نہ ہو - یہی معنی خلافة علی منهاج النبوة ہیں -

(د) جب خـــلافت منعقد ہوگئی تو تمام امت پر اسکی اطاعت فرض ہے - فی ما احب و کرہ ' ما لم یؤمر بمعصیة -

(ہ) امت کو چاہیے کہ احق و اہل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاہیے کہ خود خلافت کی خواہش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ہے ' تو کسی طرح بھي کشمکش نہوگی - نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعی ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاري ہی کافي ہے ' اور اسلام کي کونسي حقیقت ہے جسکے لیے صحیح بخاري کافی نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رہا - مجلس شوری کي جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے - چنانچہ پہلے ہي سے اسکي خبر دیدي گئي تھي -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافۂ خاصۂ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ہے، اور چونکہ یہ خلافۃ ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ہونے والی تھی، اسلیے امت کو وصیۃ کی ہے کہ نہ صرف انکی اطاعت کی جاے بلکہ انکے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے "سنۃ" سمجھا جاے اور اسکی پوری طرح پیروی و تأسی کی جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم ، فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ، وجلت منہا القلوب و ذرفت منہا العیون، فقیل یارسول اللہ ! وعظتنا موعظۃ مودع فاعہد الینا بعہد - فقال علیکم بتقوی اللہ، و السمع و الطاعۃ و ان کان عبداً حبشیا ، و سترون من بعدی اختلافاً شدیدا ، فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین - عضوا علیہا بالنواجذ " (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث " خیر القرون قرنی ، ثم یلونہم " الخ اور " اما طبقتی و طبقۃ اصحابی فاہل علم و ایمان " الخ رواہ البغوی عن انس و امثالہا ، اسی قسم میں داخل ہیں -

خلاصہ انکا یہ ہے کہ آنحضرۃ (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو ، اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ہو - اور دیکھو ! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ہیں ، پس چاہیے کہ فتنوں سے بچو اور ہمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رہو ، اور اسکو اسطرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ہے - اور فرمایا : بہتر زمانہ میرا ہے ، پھر وہ جو میرے بعد کا ہے - اور فرمایا ، میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ہے - اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی ، الا کان لہ حواریون و اصحاب ، یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھی اسی عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ہے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا ، دوسرا اقتداء اور پیروی کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ہے - اس دور میں پہلا حکم توبدستور باقی رہا ، لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی

میں خون اور موت کی وبا پھیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے امنڈ آتے - انکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - پس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

فصل

(نصوص سنہ و اجماع امت)

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹرلو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہر حال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

که هر حال اور هر طرح کي زندگي میں امام کي اطاعت کرینگے - حکومت و سرداري کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھي اس بارے میں کوئي

(بقیه نوٹ صفحه ۵۲)

بہتوں کو یه لغزش هوئی که " اطاعت " اور " اقتـــدا " کا فرق نه سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کی ممانعت بلکه خلاف کرنے کا حکم پایا ' اُنکو منع اطـــاعت اور جوار خروج پر معمول کرلیا - خوارج اور معتزله کے ایک گروہ کو یہی دھوکا هوا - ایک دوسري جماعت نے یه غلطي کي که حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھه لیا ' اور منع اقتداء و تأسی اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردي تھی ' وہ اُنکي سمجھه میں نه آئي - یعنی اس دھوکے میں پڑگئے که جب امراء و حکام کي اطاعت کا حکم دیا گیا هے ' خواہ اُنکے اعمال کیسے هي خراب هوں ' تو پھر چاهیے که نه کسی برائي پر ٹوکیں ' نه منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - هر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطـــاعت کرتے رهیں - یه جو صدیوں سے علمـــاء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا هے ' تو نفس خادع اُنکو بھی یہی دھوکا دے رہا هے - بعض حدیثوں میں آیا هے که اطاعت نه کرنے میں فتنه هے - ان لوگوں نے چونکه " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا که پادشاهوں اور امیروں کو برائي پر ٹوکنے اور اُنکے خلاف حق کے اعلان میں بڑي بڑي مصیبتیں جھیلني پڑتي هیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے که یہي مصائب فتنه هیں - پس اس فتنه سے بچنا چاهیے - نتیجه یه نکلا که حق و باطل میں کوئي تمیز باقي نه رهی - تمام زبانیں گونگي اور تمام دل مردہ هوکر رهگئے -

حالانکه دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائي - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نه سمجھا -

ایک صورت یه هے که مسلمان کسي کو اپنا قومی پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کي جیسی فرماں برداري رعایا کو کرني چاهیے ' ٹھیک ٹھیک ویسي هي فرماں برداري بجالائیں - کوئی بات ایسی نه کریں جس سے ثابت هو که آسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " هے -

دوسري صورت یه هے که کسي انسان کو اپنے دیني و اخلاقي اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستي و هدایت کے اعتبار سے اُسکي

تو ویسي هي وصیت کي جاتی هے ' جیسے پہلے دور کیلیے کي گئي هے لیکن اُنکے کاموں کي پیروي اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکه بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا هے - اس سے صاف واضح هو جاتا هے که اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط هونگے ' اُنکی خلافة شریعت کے مطلوبه نظام پر نه هوگي - نه اُنکا چلن قرآن و سنت کے مطابق هوگا - اُن میں اچھے بھی هونگے - اور برے بھی - اسلیے امت کو اب صرف اطاعت کا اور اُنکي خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا هے - اُنکے طور طریقوں کی پیروي کرنے اور اُنکے کاموں کو شرعي کام سمجھه لینے کا حکم نہیں دیا جاتا - بلکه اس بات کی بھی وصیت کي جاتي هے که جب وہ لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کی طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں کے روکنے کي پوري کوشش کرے - هاتهه سے کام لے - زبان کو حرکت میں لاے - یه دونوں درجے نصیب نه هوں تو کم ازکم دل هي دل میں برائي کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو اُنکي حکومت کے دباؤ سے اچھا نه سمجھه لے اور نه اُن کا ساتهه دے - " و لیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل " (۱)

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول الله صلعم علی السمع والطاعه في منشطنا و مکرهنا و عسرنا و یسرنا و اثرة علینا ' و ان لا ننازع الامر اهله ' الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیه من الله برهان " متفق علیه - عبادہ بن الصامت کہتے هیں - هم نے رسول الله (صلعم) سے اس بات پر بیعت لي

---

(۱) احادیث کا یه حصه نہایت اهم اور غور طلب هے - مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر هے ' اسلیے احکام بھی مختلف هوے - اس نکته پر جسکی نظر نه گئي وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھکر یا تو حیران رهگیا - یا سخت غلطیوں سے دو چار هوا - عهد نبوة سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے - هر دور کے خصائص و حالات دوسرے سے مختلف تھے - پس اُنکے احکام میں بھي اختلاف ضروري تھا پوري دقة نظر کے ساتهه احادیث کا مطالعه کرنا چاهیے - پہلے اُنکے باهمي مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاهیے - پھر هر حدیث اور هر حکم کو اُسکي صحیح جگه دیني چاهیے - ایسا نه کرنے سے لوگوں کو بڑي بڑي غلط فہمیاں هوي هیں -

کي اطاعت بهی اللـــہ کي اطاعت سے نہ روک سکیگي - یعني جب تک امام سے صریح کفر نہ سرزد ہوؑ ہرحال میں اُسکي اطاعت واجب ھے -

" خیار ائمـــتکم الدین تحبونہم و یحبونکم ' و تصلون علیہم و یصـلون علیکم ' و شرار ائمتکم الدین تبغضونہم و یبغضونکم ' و تلعنونہم و یلعنونکم" قال قلنا أفلا ننا بذ ہم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فیکم الصلوۃ ' الا من ولي علیہ وال فراہ شیئاً من معصیۃ اللہ فـلیکرہ ما یأتي من معصیۃ اللــہ ' و لا ینزعن یداً من طاعۃ " رواہ احمد و مسلم -

و عن حذیفہ أنہ (صلعم) قال " یکون بعدي آئمۃ لا یہتـــدون بہدي و لا یستنون بسنتي ' و سیقوم فیکم رجال قلوبہم قلوب الشیاطین في جثمان انس" - قال قلت "کیف اصنع یا رسول اللہ ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع و تطیع و ان ضرب ظہرک و اخذ مالك فاسمع و اطع " رواہ مسلم و احمد -

یعنی فرمایا : تمہارے بہتر حا کم وہ ہیں کہ اُنکي محبت تمہارے دلوں میں ہو اور تمہاري انکے دلوں میں - تمہاري زبانوں سے انکے لیے رحمت کی دعا نکلے اور اُنکی زبانوں سے تمہارے لیے - اور بدترین حـاکم وہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں اُنکی دشمني ہوؑ اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہوں - تم اُن پر لعنت بھیجو - وہ تم پر - صحابہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! کیا ایسے حاکموں سے ہم نہ جھگڑیں ؟ فرمایا نہیں - جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں - اُنکي اطاعت ھي کرو - ہاں جو بات گناہ کي دیکھو اُسے پسند نکرو مگر امام کی طاعت سے ھاتھہ نہ کھینچو - نیز فرمایا - میرے بعد ایسے امام ہونگے جو میرا طور طریق چھوڑ دینگے - میري سنۃ پر نہیں چلینگے - عنقریب تم پر ایسے لوگ حکمراں ہونگے کہ اُنکا جسم تو انسانوں کا ہوگا مگر دل شیطان کا سا - راوي نے پوچھا - اگر ہمنے ایسا زمانہ پایا تو کیا کریں ؟ فرمایا - سنو اور اطاعت کرو - اگر وہ تمہاري پیٹھہ پر تازیانے لگائیں اور تمہارا مال چھین لیں ' جب بھي اُنکي سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدي اثرۃ و امور تنکرونہا " قالوا - فما تأ مرنا ؟ قال " تؤدون الحق الذي علیکم ' و تسألون اللہ الذي لکم " متفق علیہ عن ابن مسعود ' و اخرجہ ایضاً الحرث بن وہب و أوردہ الحافظ في التلخیص ' و عن جابر بن عتیک مرفوعاً عند ابی داؤد بلفظ " سیاتیکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا بہم و خلوا بینہم و بین ما یبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسہم ' و ان ظلموا ' فعلیہم"

جھگڑا نہیں کرینگے- الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسی بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے- سو اُسوقت کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اُسکے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا - اسکا نام " اقتدا " اور " تأسی " ہے -

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ہے اور اس میں " اقتداء " کی حالت بھی داخل ہے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ہے ' اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بھی ہو- احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت امت کو " اطاعت " اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ اُنکے کام اچھے نہ ہونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا - یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوری پوری اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو - حق حق ہے - باطل باطل - برائی جب دیکھو ' ٹوکو - ظلم جب کیا جاے ' روکو - اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور ' دونوں برابر ہیں - " لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق " قاعدۂ کلیہ ہے ' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - تو یاد رہے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ہے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں - یعنی خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو- اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ہی فتنہ ہے - یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے - حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ہے - وہ کبھی فتنہ نہیں ہوسکتا - اگر حق کی پکار فتنہ ہو جاے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے ؟ و لو اتبع الحق اھوائھم ' لفسدت السماوات و الارض و من فیھن ! (۲۳ : ۷۴)

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ھے " مرآۃ رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل و الجور " کما فی المنتقی - یعنی صاحب مال نے جب اپنی زکواۃ عمال کے حوالے کردی تو وہ شرعاً بری الذمہ ھوگیا اگرچہ وہ ظالم و جابر ھوں - اور اسی لیے جمہور فقہا کا بھی یہی مذھب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکواۃ دیدی گئی تو ادا ھوگئی - آئمۂ اھل بیت و عترۃ نے بھی قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرۃ امام باقر (علیہ و علی آبائہ السلام) سے اصول میں منقول ھے - اور اسی لیے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھہ ھیں -

فصل

(اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما)

اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ھے اور قائم ھے اور دوسرا مدعی کھڑا ھو ' تو اُسکا حکم یہ ھے کہ وہ باغی ھے - فرمایا اُسے قتل کردو - اُسکی زندگی تمام اُمت کے نظم و امن کیلیے فتنہ ھے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ھوے انتظام کو درھم برھم کردینا چاھتا ھے - والفتنہ اشد من القتل -

عن عرفجۃ الاشجعی - قال سمعت صلعم یقول " من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد ' یرید ان تشق عصاکم او یفرق جماعتکم ' فاقتلوہ " (احمد و مسلم)

اسی لیے جمہور اھل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اھل ھویا نا اھل ' لیکن اگر اسکی حکومت قائم ھے تو جو اُس پر خروج کرے ' اُسکا حکم باغی کا ھوگا اگرچہ کتنا ھی افضل اور جامع الشروط ھو - اُس سے لڑنا اور اُسکی جماعت کو قتل کرنا جائز ھے - بشرطیکہ تبلیغ و دعوۃ اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ھے بلکہ بحکم فقاتلوا التی تبغی (۴۹ : ۹) واجب ھے - " و قد حکی فی البحر عن العترۃ جمیعاً ان جہادھم افضل من جہاد الکفار الی دیارھم ' اذ فعلھم فی دارالاسلام کفعل الفاحشۃ فی المسجد " (نیل الاوطار - جلد ۷ صفحہ ۸۰)
یعنی تمام آئمۂ اھل بیت و عترۃ سے منقول ھے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ھے -

و عن وائل بن حجر - قال سمعت رسول اللہ صلعم و رجل یسالہ - فقال - ارایت إن کان علینا امراء یمنعونا حقنا و یسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطیعوا ' وانما علیهم ما حملوا ' و علیکم ما حملتم " (مسلم و الترمذي و صححه)

" علی المرء المسلم السمع و الطاعة فیما أحب و کره ' الا ان یومر بمعصیة ' فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة " (شیخان و غیرهما عن ابن عمر)

سب کا خلاصہ وهي هے جو اوپر گزرچکا - آخری روایت میں فرمایا - ایک مسلمان کا فرض هے کہ خواہ گوارا هو یا ناگوار ' مگر امام کا کہا سنے اور مانے - هاں اگر وہ ایسا حکم دے جسکي تعمیل میں گناہ هو ' تو پھر اُس حکم میں نہ تو سننا هے اور نہ ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کي خاطر بھي خدا کا چھوٹا سے چھوٹا حکم نہیں ٹالا جا سکتا ' اور نہ مخلوق کی خاطر خالق سے نافرماني کي جاسکتی هے - یہ اسلام کا ' اور در اصل دنیا کي تمام سچي تعلیموں اور سچے انسانوں کا عالمگیر قاعدۂ کلیہ هے -

اور یهي وجہ هے کہ صدقات و زکواۃ و غیرہ مالیات کی ادائیگی کی نسبت حکم دیا گیا کہ اگرچہ وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر هوں ' یا بیت المال کا روپیہ ناجائز طور پر خرچ کر رهے هوں ' لیکن اگر امام کي طرف سے مامور هیں تو اُنکی اطاعت هی کرنی چاهیے - جس شخص نے زکواۃ اسے عامل کو دیدي ' اُسکی زکواۃ ادا هوگئی - بلاشبہ قوم کو کوشش کرنی چاهیے کہ ایسے عامل معزول کیے جائیں - لیکن جب تک معزول نہیں ' نظام شریعت و حکومت کے قیام کیلیے ضروري هے کہ اُنکے احکام کي تعمیل کي جاے - بشیر بن خصاصہ کي روایت میں هے کہ لوگوں نے کہا " ان قوماً من اصحاب الصدقة یعتدون علینا " عمال صدقہ لیدے میں هم پر ظلم کرتے هیں - کیا حق سے زیادہ نہ دیدے میں اُنکا مقابلہ کریں ؟ فرمایا نہیں - (ابوداؤد) سعد بن وقاص کي روایت میں فرمایا " ادفعوا الیهم ما صلوا " ابن ابی شیبہ میں حضرۃ ابن عمر کی نسبت هے کہ کسی نے کہا - زکواۃ کسے دیں ؟ کہا وقت کے حاکموں کو - سائل نے کہا " اذا یتخذون بها ثیابا و طیباً " وہ تو زکواۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور زینت میں خرچ کرڈالتے هیں - فرمایا " و ان " اگرچہ ایسا کرتے هوں مگر زکواۃ اُنهي کو دو -

کو شرکت کا موقعہ دیتا بھی اسکی جلد بازي پر نہایت شاق گزرتا تھا - سورۃ فاتحہ ختم کرتے ھی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ھے " فمن وافق تامینه تامین الملائکة غفر له ما تقدم من ذنبه " (بخاری) ابو ھریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتني بآمين " قرأت میں ایسی جلدي نہ مچائیو کہ میري آمین ضائع جائے ' لیکن نماز اُسی کے پیچھے پڑھتے اور اُسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - (بخاری)

لوگ اُنکي یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ھوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ھی مجمع منتشر ھو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاھا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابتہ خطبۂ عید کے بارے میں یہی ھے کہ نماز پہلے ادا کی جائے - پھر خطبہ دیا جائے - صحیح مسلم کی روایت میں ھے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدري نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار مثالیں دي جاتی ھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ھمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ اُنھی کو مانتے اور اطاعت اُنھی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساري شرطیں خلافت کی پائی جاتی ھیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوریٰ منتصب ھونا ھی مفقود تھا - باقي شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ھیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ھیں اور کتوں کو کھلاتے ھیں (۱) اور پھر اُنکے ھاتھوں ھر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھہ ھی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی اُنھي کي کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قران کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ھوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ھوئے '

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ امام ذھبی - ۱ : ۴۷ -

مصلحت و حکمت اس حکم کی ظاہر ہے - اگر اول روز ہی سے دعوؤں اور خروج کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا، تو کوئی بہتر سے بہتر اسلامی حکومت بھی خروج و شورش سے محفوظ نہ رہسکتی - ایک جامع الشـروط خلیفہ کی موجودگی میں بھی صدہا دعویدار اُٹھہ کھڑے ہوتے اور کہتے کہ جمع شرائط و اہلیت میں ہم زیادہ احق و افضل ہیں - اوصاف و فضائل کا قطعی فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے، اور نہ افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئی قطعی معیار ہوسکتا ہے - نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمیشہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا اور امت کا نظام جمعیت کبھی نہ سدھرتا - پس ناگزیر تھا کہ خلافت قائمہ کی موجودگی میں ہر طرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے، اور اسکے لیے ایسی سزا تجویز کی جاے جو سخت سے سخت سزا ہوسکتی ہے - یعنی قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بہتر ہے - بمقابلۂ اسکے کہ ہزاروں انسان قتل ہوں - یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حکم کی علت کی طرف واضح اشارہ کردیا گیا کہ " یرید ان یشق عصاکم "

یہ مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروی ہے - ہم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

(اجماع امت و جمہور فقہاء و اعلام)

امراء بنو اُمیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اہل بیت نبوۃ کا موجود تھا - عہد عباسیہ کی پوری پانچ صدیاں گذر گئیں، اور یہی زمانہ تمام علوم شرعیہ کی تدوین و ترتیب کا ہے - تمام آئمۂ و اعلام اور فقہاء مذاہب اسی عہد میں پیدا ہوے اور عقائد و مسائل نے آخری ترتیب و تنظیم پائی - لیکن ان تمام عہدوں میں سب کا اتفاق اسی اعتقاد و عمل پر رہا - عقائد ضروریہ اور ارکان اربعہ کے بعد شاید ہی کسی اسلامی اعتقاد پر اس درجہ محکم و یقینی اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم ہے - مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہ مسجد نبوی میں مؤذن تھے - مروان کی عبادت سے بد دلی کا یہ حال تھا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتا اور مقتدیوں

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا ' وہ اپنے متضاد خصائص و حالات کی وجہ سے امت کیلیے ایک بڑی ہی سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ہی وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی' نور بھی تھا اور ظلمت بھی' حق بھی تھا اور باطل بھی - حب و بغض ' ہجر و وصل' ترک و طلب' اطاعت و مخالفت' دونوں چیزیں ایک ہی وجود میں جمع ہوگئی تھیں' اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ' اور اپنی اپنی جگہوں پر دونوں باتیں بجالاؤ - ایک طرف تو اسدرجہ زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ہیں - اسلیے واجب الاطاعت ہیں - جب تک کفر صریح ظاہر نہو ' انکی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑو - دوسری طرف یہ بھی کہدیا گیا کہ اُنکے اعمال اچھے نہ ہونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروی و اقتداء نہ کرو - برائیوں کی طرف بلائیں تو ہاتھہ سے' زبان سے' دل کے اعتقاد سے' جس طرح بھی بن پڑے' پوری طرح مخالفت کرو اور اُنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھہ نہ چھوڑو - غور کرو ! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انسانی کیلیے کیسا پر از امتحان تھا ؟

انسان ایک وقت میں ایک ہی جذبہ کام میں لاسکتا ہے - یا محبت کریگا یا دشمنی - یا اطاعت کریگا یا نافرمانی - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا ' اسکی ہر بات اسکی نظروں میں محبوب ہوجائیگی - جسکو برا سمجھیگا ' اُسکی فرمانبرداری کبھی اُسکے نفس کو گوارا نہ ہوگی - لیکن یہ وہ منزل عمل تھی جس میں ایک ہی وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض' دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ہی انسان کے آگے جھکنا بھی تھا ' اور پھر اُسی کے سامنے سرکشی بھی کرنی تھی - البتہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑی دوسری - جذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھی کہ ہر جذبہ اپنے صحیح موقعہ پر کام میں لایا جائے - ورنہ ذرا سی بے اعتدالی بھی سخت گمراہی و ہلاکت کا موجب ہوجاتی - اطاعت کیشی میں اگر بے اعتدالی ہوتی' تو وہ اقتداء اور تأسی ہوجاتی جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالی ہوتی ' تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتی' جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزی ہوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تیرہ سو برس میں کتنے ہی فتنے صرف اسی بے اعتدالی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوے - کتنوں ہی نے جوش حق پرستی میں

معلوم هیں - حضرۃ امام احمد ابن حنبل نے اسی کوڑوں کی ضرب اور برسوں تک قید خانے میں رہنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم کی دعوۃ بدعت کی پیروی نہ کی - لیکن اطاعت کا مستحق انہی کو سمجھا ' اور اپنے نامۂ وصیۃ میں لکھا تو یہی لکھا " والـــدعاء لائمۃ المسلمین بالصلاح ' و لا نخرج علیهم بالسیف ' و لا تقاتل هم فی الفتنہ " کذا نقل عنہ ابن الجوزی فی سیرتہ -

حافظ عسقلانی نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا ہے " قد اجمعوا انہ (ای الخلیفہ) اذا دعی الی کفر أو بدعۃ ' انہ یقام علیہ " یعنی علما نے اسپر اجماع کیا کہ اگر خلیفہ کفر اور بدعت کی طرف بلاے تو اسپر خروج کرنا چاهیے - پھر اس قول کی نسبت لکھتے هیں " ما ادعاہ من الا جماع علی القیام فی ما اذا دعا الی البدعۃ ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعۃ تؤدی الی صریح الکفر ' و الا ' فقد دعا المـــامون والمعتصم والواثق الی بدعۃ القول بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلها بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاهانۃ ' ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیهم بسبب ذالک ' و دام الا مر بضع عشرۃ سنۃ حتی ولی المتوکل الخلافۃ وابطل المحنۃ " (فتح - ۱۳ : ۱۰۳) یعنی یہ جو ابن التین نے کہا کہ اگر خلیفہ بدعت کی طرف بلاے تو اسپر خروج کرنا جائز ہے اور اسپر اجماع ہوچکا ہے ' تو یہ قول مردود ہے - الا یہ کہ بدعت سے اسکا مقصود ایسی بدعت ہو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتی ہو - کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت خلق قرآن کی طرف دعوت دی ' اور اسکی وجہ سے علماء سنۃ کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل ہوے ' پیٹے گئے ' قید کیے گئے ' لیکن پھر بھی کسی نے اندر خروج واجب نہیں بتلایا ' اور برابر انکی اطاعت کرتے رہے - حتی کہ تقریباً دس برس تک یہی حالت رهی - خلیفہ متوکل نے تخت نشین ہوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتهی -

حقیقت یہ ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھہ فرمایا تھا ' عہد سلف کے مسلمانوں نے کرکے دکھلا دیا کہ اسکا اصلی مفہوم و مقصد کیا ہے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام خلافت کے ہر ٹکڑہ اور ہر قسم کی ایک عملی تفسیر و شرح تھے - گذشتہ فصول میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے ہو جن میں آنے والے وقتوں کی نسبت امت کو احکام دیے گئے هیں - خلافۃ راشدہ کا عہد فتنوں فسادوں سے محفوظ

انھوں نے جس طرح اس حکم کی پیروی کی کہ " تسمع و نطابع و ان صرب ظہرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم - ٹھیک ٹھیک اُسی طرح اس فرمان کی بھی کی کہ " فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ " اور " من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ ' و ان لم یستطع فبقلبہ ' و ذلک اضعف الایمان " رواہ مسلم -

حضرۃ امام احمد بن حنبل کی پیٹھہ پر دو جلاد تازیانے مار رہے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھہ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے - اور یہ سب کچھہ صرف اتنی بات کیلیے ہو رہا تھا کہ قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب اللہ کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ہے اور نہ دینے کا حکم دیا ہے - وہ سب کچھہ سہہ رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی " اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول " درے مارنے سے کیا ہونا ہے ؟ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس !

فصل

(سنی اور شیعہ دونوں متفق ہیں)

اسی طرح تمام ائمۂ اہلبیت کا زمانہ خلفاء بنو اُمیۂ و عباسیہ کے عہدوں میں گزرا - یہ معلوم ہے کہ وہ خلافہ کا مستحق صرف اپنے ہی کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو اُمیۂ و عباسیہ کو - با ایں ہمہ کسی نے بھی اُنکے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت سے انکار کیا - سب اسی پر متفق ہوے کہ حکومت اُنکی قائم ہوچکی ہے ' اسلیے سلطان وقت وہی ہیں -

خاندان اہل بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ' ائمہ نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاہر کی - جیسا کہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ہے -

بغاوت و خروج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ھی نے افراط اطاعت کیشی میں حق کو باطـــل اور باطل کو حق دکھا کر امت کا نظام حق و عدل درھم برھم کردیا -

دنیا میں کوئي قوم نہیں جسکے اجتماعی اعمال کی تاریخ میں کوئي ایسی نظیر مل سکے کہ ایسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ھو' اور پوري کامیابی کے ساتھہ اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ھو- لیکن عہد صحابۂ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تـــک عمل کرکے ثابت کردیا کہ سچائی اور اخلاق کي کوئی عملی مشکل ایسی نہیں جو پیروان اسلام کیلیے مشکل ھوسکے - انھوں نے نہ صرف اسپر عمل کیا ' بلکہ پوری کامیابي کے ساتھہ اس اخلاقی امتحان سے عہدہ برا ھوکر نکلے - انھوں نے ایک ھی وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلائے - اطاعت بھی کی اور مخالفت بھی - لیکن اطاعت اُسي بات میں کی جو مستحق اطاعت تھی ' اور مخالفت وھیں کی جہاں مخالفت کرنی تھی - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفۂ اخلاق بڑي بڑي دقیقہ سنجیوں کے بعد حل کرسکتا ھے ' انھوں نے اپنی عملی زندگی کی سادگی سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا کہ اخـــلاق کے فلسفہ کیلیے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ھے ' وھي ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ھے !

قومی حکومت کی اطاعت اور فرماں برداري اس سے بڑھکر اور کیا ھوسکتی ھے جو صحابۂ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کی کی ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنو عباس کے دعاۃ بدعت کی ؟ ھر طرح کے مظالم سہے' ھر طرح کی مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ھوے ' مگر پھر بھي اطاعت سے باھر قدم نہ رکھا ' اور ھمیشہ یہي کہتے رھے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ ' و نحن بائعنا ھم " وہ جو فرمایا تھا کہ " قیـــد شبر " بالشت بھر بھی اطاعت سے الگ نہو ' سو واقعي ویسا ھي عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھہ ھی استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنۃ کا بھي یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کی بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتی تھی ' نہ حجاج کي خون آشامي ' اور نہ مامون و معتصم کی قہرمانیۃ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کي طرف ' زبان جب کھلتي تھي تو سچائي کیلیے' اور دل میں کسي کی گنجائش نہ تھي مگر عشق کتاب و سنۃ کي -

اهل سنه کی تمام جماعتیں متفق هیں ' ٹهیک اسي طرح شیعه بهي متفق هیں - اهل سنه کے نزدیک خلافه کي تمام شرطیں صرف خلفاء راشدین هی میں جمع تهیں اور انهی کا انتخاب صحیح نظام شرعی کے مطابق هوا - انکے بعد پهر نه هوا - امامیه کے نزدیک ابتدا هی سے نه هوا - لیکن اطاعت دونوں عہدوں میں اهل سنة نے بهی ضروري قرار دي - شیعوں نے بهی ضروري قرار دي - نتیجه نکلا که ایک قائم و نافذ اسلامی سلطنت کی اطاعت پر سني و شیعه دونوں متفق هیں - یهی حال زیدیه وغیره فرقوں کا هے -

فصل

(بعض کتب مشهورۂ عقائد و فقه)

تمام اسلامی مدرسوں میں صدیوں سے جو کتابیں پڑهی پڑهائی جا رهی هیں ' ان میں سے بعض کی عبارتیں هم نقل کرینگے

شرح مقاصد میں هے - " و اما اذا لم یوجد من یصلح لذالک ' او لم یقدر علی نصبه لاستیلاء اهل الباطل و شوکة الظلمة و ارباب الضلال ' فلا کلام في جواز تقلید القضاء و تنفیذ الاحکام و اقامة الحدود و جمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکة " اور شروط امامة بیان کرکے لکهتے هیں " نعم ' اذا لم یقدر علی اعتبار الشرائط ' جاز الاقتداء بالاحکام المتعلقة بالامامة علی کل ذي شوکة یقتدر ' بتغلب او استیلاء " اور اسی میں هے " فان لم یوجد من قریش من یجمع الصفات المعتبرة ' ولي کنانی ' فان لم یوجد ' فرجل من ولد اسماعیل ' فان لم یوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکواة میں هے " و اما الخروج علیهم و قتالهم ' فمحرم و ان کانوا فسقة ظالمین " اور حدیث " من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد " کی شرح میں لکهتے هیں " ای له اهلیة الخلافة ' او التسلط و الغلبة " -

شامی میں هے " و تثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخلیفة ایاه کما فعل ابوبکر ' و اما ببیعة جماعة من العلماء او من اهل الرای " -

حضرة امام علی رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولی عہد قرار دیا - امام موصوف نے ولي عہدي قبول کرلي - یعنے تسلیم کرلیا کہ مامون خلیفہ ھے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولي عہدي کا حق پہنچتا ھے - اگر وہ خود خلیفہ نہ تھا تو دوسرے کو ولي عہدي کیونکر مل سکتي تھی ؟

آئمۂ اھل بیت کی پوري تاریخ میں ایک واقعہ بھی موجود نہیں کہ انھوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیہ کي اطاعت سے روکا ھو- بر خلاف اسکے کتب حدیث امامیہ (مثلاً اصول کافی وغیرہ) میں ایسی تصریحات موجود ھیں کہ با وجود اظہار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدي ' عدم اطاعت و حکم خروج سے ھمیشہ مانع رھے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلہ کن اسوۂ حسنہ اس بارے میں خود حضرة علی علیہ السلام کا ھے - حضرات امامیہ انکی خلافت کو منصوص تسلیم کرتے ھیں ' اور کہتے ھیں کہ انکي موجودگي میں اور کوئی جائز خلیفہ نہیں ھوسکتا تھا - با ایں ھمہ ظاھر ھے کہ انکے بعد دیگرے تین خلیفہ ھوے ' اور حضرة علي نے نہ تو خروج کیا ' نہ بیعت سے انکار کیا ' نہ علیحدگی اختیار کی - متصل بیس برس تک اُنکا یہی طرز عمل قائم رھا - اس سے بڑھکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا ھوسکتي ھے کہ جب امت ایک سلطان پر مجتمع ھو جاے ' تو پھر کسي طرح بھي اسکي مخالفت جائز نہیں - اور اسکی اطاعت کرنا ھر فرد پر واجب ھے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من اللہ کیلیے انکار جائز نہ تھا ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز ھوسکتا ھے ؟

غرضکہ اس بارے میں اھل سنت و امامیہ دونوں متفق ھیں -

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ھوگئی کہ حضرات امامیہ اور اھل سنت میں مسئلۂ خلافہ کي نسبت جو مشہور اختلاف ھے ' وہ صرف پہلی صورت میں ھے ' نہ کہ دوسري صورت میں - یعني اس بارے میں ھے کہ اگر امت خلیفہ و امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعہ کہتے ھیں کہ اسکا استحقاق صرف آئمۂ اھل بیت کو ھے - وھي امام ھوسکتے ھیں - اھل سنہ کہتے ھیں کہ یہ شرط ضروري نہیں :

لیکن اگر اصلی نظام باقی نہ رھا ھو اور غلبۂ و تسلط سے کوئی شخص اسلام کي مرکزي سلطنت پر قابض ھوگیا ھو ' تو اُسکي اطاعت پر جسطرح

اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے " ان الخلیفۃ اذا انعقدت خلافتہ ، ثم خرج آخر ینازعہ ، حل قتلہ "

اور ازالۃ الخفاء میں ایک مفصل اور دقیق بحث مسئلۂ خلافت و حقیقت خلافت پر کرتے ہوے (جس سے بہتر اور جامع بحث شاید ہی کسی دوسری جگہ ملسکے) لکھتے ہیں " و حرام ست خروج بر سلطان بعد ازان کہ مسلمین بر وے جمع شدند، مگر آنکہ کفر بواح از وے دیدہ شود، اگرچہ آن سلطان مستجمع شرائط نہ باشد ، و این مضمون متواتر بالمعنی ست" (جلد - ۱ : ۱۳۷)

حاصل ان تمام عبارتوں کا وہی ہے جو اوپر گزر چکا - یعنی ہر زمانے میں امت کیلیے ایک خلیفہ ہونا چاہیے جو صاحب طاقت و اقتدار ہو - اگر امت منتخب کرے تو اسکے لیے فلاں فلاں شرطیں ہیں - لیکن اگر کسی مسلمان کی حکومت قائم ہوگئی ہے اور وہی صاحب اقتدار و سوکت ہے ، تو اسی کو خلیفہ ماننا چاہیے - خواہ تمام شرطیں اسمیں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں - قرشی ہو یا غیر قرشی ، ظالم ہو یا عادل ، عالی خاندان ہو یا دنی النسب ، حتی کہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہو ، لیکن اسکی اطاعت و حمایت ہر مسلمان پر واجب ہے - جب تک کفر صریح اس سے ظاہر نہو - لیکن اگر ایسا ہوا ، تو پھر نہ بیعت قائم رہی نہ عہد اطاعت باقی رہا - اس حالت میں مسلمانوں پر واجب ہو جائیگا کہ اسکا مقابلہ کریں - جو شخص مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہ دیکھے ، وہ اسکے ملک سے ہجرت کر جاے - " فمن قام علی ذلک فلہ الثواب - و من داھن ، فعلیہ الاثم - و من عجز ، وجبت علیہ الھجرۃ من تلک الارض " کذا فی الفتح (۱۳ : ۱۰۹)

فتح الباری کی اس عبارت سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جس ملک میں کفار کی سلطنت قائم ہو جاے ، وہاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاہیے ، اور حق کے اظہار و اعلان میں کسی طرح کی مداہنت گوارا نہ کرنی چاہیے - لیکن اگر اسکی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں ، تو پھر اس ملک سے ہجرت کر جائیں - یعنی یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ تسلط کفر پر قانع و رضامند ہوکر زندگی بسر کریں -

فصل = واقعہ امام حسین علیہ السلام ص ۸۶

یہاں درج ہونا چاہیے ۔

مسامرہ میں ہے " و المتغلب تصح منه هذه الامور (اى ولاية القضاء و الامارة و الحكم بالاستفتاء و نحوها) للضرورة ' و صار الحال عند التغلب كما لم يوجد قرشى عدل ' او وجد و لم يقدر (اى لم توجد قدرة على توليته لغلبة الجورة) اذ نحكم في كل من الصورتين بصحة ولاية من ليس بقرشي و من ليس بعدل للضرورة "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطیں بیان کرکے لکھتے ہیں ' " لكن للامة ان ينصبوا فاقد ها ' دفعا للمفاسد التي تندفع بنصبه " (۶۱۴)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " و قد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معه ' و ان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء و تسكين الدهماء ' و لم يستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح' فلا يجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما في الحديث " (جلد ۱۳ : ۷)

اور روایت حدیفہ " فاعتزل تلك الفرق كلها " الخ مندرجۂ كتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ہیں " قال ابن بطال : فيه حجة لجماعة الفقهاء فى وجوب لزوم جماعة المسلمين و ترك الخروج على أئمة الجور ' لانه وصف الطائفة الاخيرة بانهم دعاة على ابواب جهنم' مع ذالك امر بلزوم الجماعة " (۱۳ : ۳۱)

اور حدیث " اسمعوا و اطيعوا و ان استعمل عليكم عبد حبشى " کی شرح میں لکھتے ہیں " و اما لو تغلب عبد حقيقة بطريق الشوكة ' فان طاعته تجب اخماداً للفتنة " (۱۳ ' ۱۰۹)

حافظ نواری شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و هذه الاحاديث في الحث على السمع و الطاعة فى جميع الاحوال ' و سببها اجتماع كلمة المسلمين ' فان الخلاف سبب لفساد احوالهم في دينهم و دنيا هم - و قوله صلعم ' و ان كان عبد مجدع الاطراف - يعنى مقطوعها' و المراد اخس العبيد - اے اسمع و اطيع للامير و ان كان دني النسب * * * * * و يتصور امارة العبد اذ ولاه بعض الائمه ' او يغلب على البلاد بشوكته " الخ - (جلد ۲ : ۱۲۵)

اور قاضي شوکانی درر البہیہ میں لکھتے ہیں " و طاعة الائمة واجبة الا في معصية الله' و لا يجوز الخروج عليهم ما اقاموا الصلوة " (شرح درر: ۴۱۴)

اور ابن ابی شیبہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الملائکۃ تلعن أحدکم اذا أشار الی الاخر بحدیدۃ وان کان اخاہ لابیہ و امہ " اور امام ترمذی نے ایک دوسری اسناد سے موقوفاً روایت کیا ہے "من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنتہ الملائکۃ " (قال حسن صحیح غریب - وکذا صححہ ابوحاتم من ھذا الوجہ) یعنی فرمایا - جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اسپر لعنت بھیجتے ہیں - فتح الباری میں ہے " قال ابن العربی اذا استحق الذی یشیر بالحدیدۃ اللعن ، فکیف الذی یصیب بہا ؟ و انما استحق اللعن اذا کانت اشارتہ تہدیداً ، سواء کان جاداً أم لاعباً " (جلد ١٣ ، ٢١) یعنی ابن العربی نے کہا : جب صرف ہتھیار اٹھاکر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی سخت وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں ، تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے ، بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے ؟ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے ، تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کیلیے ایسا کرے - خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے - انتہی - اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتھیار اٹھاکر کسی مسلمان کو ڈرائے ، تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا - یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کیلیے جائز نہیں - اور یہ فعل اسدرجہ شریعت کے نزدیک مبغوض ہے کہ اسکی ہنسی دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹہری !

حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے مرفوعاً مروی ہے " زوال الدنیا کلھا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم " (اخرجہ الترمذی و قال حدیث حسن ، و اخرجہ النسائی بلفظ " اقتل المومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا ") یعنی آنحضرۃ نے فرمایا - اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہوجانے سے بھی بڑھکر جو چیز ہے ، وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے - اور اسی بنا پر فرمایا " اول ما یقضی بین الناس فی الدماء " (رواہ البخاری عن ابن مسعود ، زاد مسلم " فی یوم القیامۃ ") قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکایا جائیگا وہ انسان کا خون ہے - (١)

---

(١) یہاں یہ شبہ وارد نہو کہ یہ حدیث محاسبۂ صلوات کی مشہور حدیث سے معارض ہے ، کیونکہ نماز کی نسبت قضاء کا لفظ نہیں آیا ہے - حساب کا آیا ہے - بخاری کی روایت میں ہے " اول ما یحاسب بہ المرء

باب = حکم حمل سلاح علی المسلم

فصل

(من حمل علینا السلاح فلیس منا)

سورۂ نساء مدنی ھے

ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ ، و اعدلہ عذاباً عظیماً - (۴ ۹۵)

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھکر قتل کرڈالے تو اسکی سزا دوزخ کي ھمیشگی ھے ، اللہ کا غضب ھے ، اسکی پھٹکار ھے ، اور بڑاھی درد ناک عذاب ھے جو اسکے لیے طیار ھوچکا ھے -

یہ آیت اس بارے میں نص قطعی و ظاھر ھے کہ جو مسلمان بادستہ بلا کسی حق شرعي کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ، وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ، اللہ کے غضب و لعنت کا مورد ھوگا ، اور عذاب الیم کا مستحق -

بخاری و مسلم میں ھے " سبـاب المسلم فسوق و قتالہ کفر " (و رواہ الترمذي و صححہ و لفظہ " قتال المسلم اخاہ کفر و سبابہ فسوق ") یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ھے اور اس سے لڑائی لڑنا کفر -

آنحضرۃ نے آخري حج کے موقعہ پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا ، اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ھے ، اسمیں ھمیشہ کیلیے تمام امت کو وصیت فرمائی " لا ترجعوا (و في روایۃ لا ترجعون) بعدي کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض " (بخاري) میرے بعد کافروں کي طرح نہ ھوجانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑائے -

اور بخاري میں حضرۃ ابو ھریرۃ سے مروی ھے " لایشیر احد کم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزع فی یدہ (و فی روایۃ ینزغ بالعین) فیقع فی حفرۃ من النار " (و ایضاً اخرجہ مسلم عن ابن رافع ، و ابو نعیم فی المستخرج من مسند ابن راھویہ) یعنی فرمایا کبھی اپنے بھائی مسلمان کي طرف ھتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو - ممکن ھے کہ ھتھیار لگ جاے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو - یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کر گئي اور مسلمان کا خون ھوگیا ، تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ھو جائیگا جسکي پاداش عذاب جہنم ھے -

شریعت نے مسلمانوں کي جمعیت وقومیت کي بنیاد باهمي مواخات پر رکھي هے - یعني هر مسلمان کا شرعی رشته دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشته هے : فاصبحتم بنعمته اخوانا (٦ : ١٠٣) انما المومنون اخوة ' فاصلحوا بین اخویکم (٤٩ : ١٠) مسلمان آپس میں بھائي بھائي هیں - پس جب دو بھائیوں میں رنجش هوجاے تو صلح کرادو - مسلمانوں کی قومی سیرة جا بجا یه بتلائی - اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین (٥ : ٥٩) اشداء علی الکفار رحماء بینهم (٤٨ : ٢٩) اُن میں جس قدر بھي نرمي هے ' مسلمانوں کے ساتھه هے - جسقدر بھي سختی هے ' غیروں کے ساتھه - وہ سب سے زیادہ نرم بھی هیں اور سب سے زیادہ سخت بھي - نرم اپنوں کے لیے ' سخت غیروں کے لیے - اُنکے پاس محبت بھی هے ' عداوت بھی - لیکن محبت پرستاران حق کے ساتھه کرتے هیں ' عداوت دشمنان حق کے ساتھه -

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات و تمثیلات ملتی هیں ' وہ مشہور و معلوم هیں ' اور مہاجرین و انصار اور عموم صحابۂ کرام نے انکي عملي تصویر بنکر همیں بتلا دیا هے که اخوت دیني کے معنی کیا هیں ؟ هر مسلمان پر اسکي نماز اور روزہ سے بھی بڑھکر جو چیز فرض کردي گئی ' وہ یهي هے که مسلمانوں سے محبت کرے ' جہانتک بن پڑے اُنکي بھلائی چاهے ' اور کوئي بات ایسي نه کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہونچے - اگر یه چیز نہیں هے تو ایمان و اسلام بھي نہیں - پہاڑوں جتنا بھي زهد و عبادت هو اور سمندر جتني بھي دولت خرچ کرڈالی جاے ' لیکن اگر یه چیز نہیں تو بالکل بیکار و عبث هے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه " (رواہ الشیخان) کوئي شخص مومن نہیں هوسکتا جب تک اس میں یه بات پیدا نه هوجاے که جو بات اپنے لیے پسند کرے ' وهي اپنے بھائي مسلمان کے لیے بھي پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنة حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا " (شیخان) تم کبھي جنت میں داخل نہیں هوسکتے جب تک ایمان نه لاؤ ' اور کبھي مومن نہیں هوسکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نه کرو -

حضرۃ عبد اللہ بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپ نے فرمایا
" تزود من الماء البارد، فانك لن تدخل الجنة " (رواہ البیھقي) ٹھنڈے
پانی کي طرح تھنڈے پانی کي طیاري کر لے کیونکہ تیرا ٹھکانا دوزخ ھے - تو
یقینا جنت میں نہ جائیگا ۔

حقیقت یہ ھے کہ ایک مسلمان کے لیے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور
کوئي کفر نہیں ھوسکتا کہ اپنے مسلمان بھائي کے خون سے ھاتھہ رنگین کرے -

---

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹)

صلاتہ " قیامت میں سب سے پہلے آدمی سے جس عمل کا حساب لیا جائیگا
وہ نماز ھے - اس سے معلوم ھوا کہ جن کاموں میں محاسبہ ھوگا ' اُن میں
سب سے پہلا کام نماز ھے - لیکن جن کاموں میں فیصلہ چکایا جائیگا ' اُن میں
سب سے پہلا معاملہ خون کا ھوگا - پس دونوں میں کوئي تعارض نہیں -
چنانچہ نسائی نے یہ دونوں ٹکڑے ایک ھی متن و اسناد سے روایت کیے
ھیں " اول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ ' و اول ما یقضي بین الناس فی الدماء "
امام بخاري نے مندرجۂ متن حدیث ابن مسعود سے بہ طریق اعمش عن
ابي وائل روایت کي ھے اور منجملہ ثلاثیات بخاري کے ھے - نسائی بھي
یہ روایت ابو وائل ھی کے طریق سے لاے ھیں - پس سنداً و متناً روایت
ایک ھي ھوئی - باقی رھا محاسبہ و قضاء کا فرق ' تو وہ بالکل ظاھر ھے - بعض
اعمال انسان کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ھیں - بعض دوسروں کے حقوق
سے - شریعت نے اسی فرق کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا ھے -
پہلی قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ھر شخص
کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ھیں - کوئی دوسرا نفس مدعی نہیں ھوتا - البتہ
پرسش ھو سکتی ھے کہ وہ فرائض انجام دیے گیے یا نہیں ؟ لیکن دوسری
قسم کے لیے پرسش کافی نہیں - فیصلہ چکانے کی ضرورت ھے - کیونکہ وہ
ایسے کام ھیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف ھوے ھیں اور وہ بہ حیثیت
مدعی کے کھڑے ھونگے - نماز پہلی قسم کے اعمال میں سب سے زیادہ اھم
ھے ' اور قتل نفس کا معاملہ دوسري قسم میں سب سے زیادہ اھم - پس جب
حساب ھوگا تو سب سے پہلے نمازکي نسبت پوچھا جائیگا ' اور جب فیصلہ
چکایا جائیگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معاملہ پیش ھوگا -

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بد عملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ' تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و عیرت کو ہلا دے ' اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلاے ' اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور ان سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھہ پانوں کرسکتے ہیں ' کونسا گناہ ہے ' جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو ؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس دل بخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجاے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ' وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا ' بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ' اور اسکی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرۃ اسامہ کی روایت ہے کہ انکو آنحضرۃ نے دنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھہ ہی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرۃ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوے اور فرمایا " أقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ " ؟ تونے اسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما کان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال یکررھا علی حتی تمنیت أنی لم أکن اسلمت قبل ذلک الیوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دہراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ' کاش آج کے دن

اور فرمایا " لا تحسسوا ، و لا تجسسوا ، و لا تناجشوا ، و لا تباغضوا ، و لا تدابروا ، ولا تدابروا ، و کونوا عباد الله اخوانا " (شیخان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو ، باہم کینہ اور عناد نہ رکھو ، بدگوئی نہ کرو ، اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ -

حضرت جابر کو وصیت کی " ان تصبح و تمسي و لیس فی قلبک غش لاحد " (مسلم) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو ، اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسی کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یده و لسانه " (بخاري) مسلمان وہ ہے نہ اسکے ہاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ، لا یظلمه ، و لا یخذله ، و لا یحقره " (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے - پس اپنے بھائی کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ، نہ اُسے ذلیل کرے ، نہ اُسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث " (شیخان) کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں نہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر به " (ترمذي) الله کی اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک زور دیا کہ " من کان یومن بالله و الیوم الاخر ، ولا یحد الطرالی اخیه " (رواه الحاکم و صححه) جو شخص الله اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے ، اسکو نہ چاہیے کہ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے -

پس جب الله کی شریعت حقه نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی باہمی محبت و برادری پر رکھی ، اسی کو ایمان کی جڑ قرار دیا ، وہی اسلام کی اصلی پہچان ہوئی ، اسی پر ایمان کی تکمیل موقوف ٹھہری ، تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوے رشتے کو توڑ دے ، اور اپنے انہی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیری و مددگاری کیلیے بناے گئے تھے ، مسلمانوں کی گردنیں کاٹے ، اس سے بڑھکر خدا کی زمین پر اُسکی

قتل هو جانا گوارا نہ ہوا کیونکہ اُس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہدیا تھا ' اور اسپر اسقدر رنج و افسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتی رہی ' تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے ' جنکی ساری زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئی ہیں ' اور جنہوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں ' بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور ورد کیا ہے ' اسکی شقاوت و خسران کا کون اندازہ کرسکتا ہے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھکر اور کون سا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب ہو ؟

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کیلیے نہیں فرمائی - یعنی فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا ' وغضب اللہ علیہ و لعنہ - اسمیں خلود فی النار ' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ' اور تمام قرآن و سنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص ہیں - مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کیے گئے - اس سے معلوم ہوگیا کہ عام معاصی و فسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے - کفر صریح و قطعی کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئی فعل ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے - اور اسی لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ " و قتالہ کفر " اور " لا ترجعوا بعـــدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکی ناپاکی و ملعونیت ظاہر کرنے کیلیے کافی نہ تھا - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ " سباب المسلم فسوق " تو پھر اسکو قتل کردینا صرف فسق ہی کیوں ہو ؟

ثانیاً ' جس طرح ایمان و اسلام کی ستر سے کچھہ اوپر شاخیں ہیں ' اور اُن میں سے ہر شاخ ایمان و اسلام ہے - " الایمان بضع و سبعون شعبۃ ' اعلاھا لا الہ الا اللہ و أدناھا اماطۃ الاذی عن الطریق " (رواہ مسلم و اصحاب السنن الثلاثہ ' و رواہ البخاری " بضع و ستون ") اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اور اعلی و ادنی مراتب ہیں ' جیسا کہ اپنے مقـــام پر ثابت ہوچکا ہے ' اور اسی لیے صحـــابۂ و سلف سے مروی ہے " کفـــر دون کفر و ظلم دون ظلم " (۱) - اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادی بھی ہے

(۱) امام بخاری نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے " کفـــران العشیرۃ و کفر دون کفر " - لیکن دراصل یہ خود صحابۂ کرام کے آثار سے

سے پہلے میں مسلمان ھی نہ ھوا ھوتا - ایک روایت میں ھے " افلا شققت عن قلبہ حتی نعلم " تونے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھہ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ھے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ہوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ھو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ھو - دل کا حال صرف اللہ ھی کو معلوم ھے -

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ کی روایت سے بھی مروی ھے اور اسمیں بعض زیادات ھیں - و فیہ ان النبی صلعم قال لہ " فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا أتتک یوم القیامہ " ؟ قال یا رسول اللہ استغفرلی - " قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ " ؟ فجعل لا یزیدہ علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے آسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھہ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنے اللہ کو کیا جواب دیگا ؟ آسامہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! ایتر مجھہ سے یہ قصور ہوگیا - میری بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہی کہتے رھے کہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا جب دعوا ھوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاری میں ھے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ، فضرب یدی بالسیف فقطعھا ، ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت للہ ، أ أقتلہ بعد ان قالھا ؟ " اگر ایسا ھو کہ ایک کافر سے مقابلہ کروں ، اور وہ تلوار میرے ھاتھہ پر اسطرح مارے کہ ھاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ھوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا ، تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتلہ " مت قتل کر - " قال فانہ طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ھاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتلہ ، فان قتلتہ ، فانہ بمنزلتک قبل أن تقتلہ ، و انت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال " جو کچھہ بھی ھوا ھو ، لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ، اور تو مسلمان ، لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیری جگہ ھو جائیگا اور تو اسکی جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ھی عبرت انگیز ھیں - جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتھیار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائی معاصی میں سے ہے، جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا ہے، اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئی برائی نہیں، اور قریب ہے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حدود میں بھی داخل ہوجائے - کتاب و سنت نے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے، وہ عام معاصی و فسوق کے لیے کبھی اختیار نہیں کیے گئے، اور وہ ایسے سخت و شدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو، اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بد حال کر دینے کے لیے بس کرتے ہیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے، تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے ہیں، اس سے سر زد ہو جا سکتے ہیں، مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کر سکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص ہے - " لعنت " کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الٰہی سے مہجوری اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی - یہودی ملعون و مغضوب ہوے اور عزت و حکومت سے ہمیشہ کیلیے محروم ہوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد ہوئی : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول ہوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں - وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ ہے - اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو، وہاں لعنت الٰہی کا بھی ورود ہوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصی و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا، ان پر بھی " لعنت " کرنے سے آنحضرت نے روکا -

امام بخاری نے باب باندھا ہے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جاے، اسپر لعنت کی ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لاے ہیں - یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا، توبہ کرتا تھا، پھر مبتلا ہوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا، تو بعض مسلمان بول اٹھے " اللہم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کی لعنت ہو - لیکن انحضرۃ نے نہایت سختی سے روکا " لا تلعنوہ

اور عملي بهي - يعني اعتقاديات و معنويات ميں بهي هے ، اور عمليات و ظواهر ميں بهي - ذکر ميں بهي هے اور فعل ميں بهي - ايمان بالله و الرسل بهي اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - ٹهيک اسي طرح کفر اور نفاق کي بهي دو قسميں هيں - اعتقادي اور عملي - ايک کفر و نفاق اعتقادات و افکار کا هے - ايک اعمال و افعال کا - شرک کفر اعتقـــادي هے ، اور ترک صلواة متعمداً کفر عملي - پس يه جو فرمايا که " سباب المسلم فسوق و قتاله کفر "

اور فجزاره جهـــنم خالداً فيهـــا اور " لا ترجعوا بعدي کفارا " اور " فليس منا " تو ان ميں اور عموم احکام کفر و اسلام ميں کوئي تعارض نهيں - نه لفظ " کفر " کي يهاں کوئي تاويل کرني چاهيے ، اور نه نفي اسلام کو نفي کمال پر محمول کرنے کي ضرورت - شارع نے جس فعل کو کفر کها ، وه کفر کے سوا اور کچهه نهيں هوسکتا ، اور جب تـک دنيا باقي هے وه کفر هي هے اور کفر هي رهيگا - البته يه کفر بهي مثل ديگر اعمال کفريه کے عملي کفر هے ، نه که کفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسکا کرنے والا ويسا هي فعل کفر کا مرتکب هوگا ، جيسا نماز چهوڑ ديبے والا مسلمان جسکے کفر پر صحابهٔ کرام کو اتفاق تها " و کان اصحاب رسول الله صلعم لا يرون شيئاً من الاعمال ترکه کفر غير الصلواة " (ترمذي) " من الاعمال " کي قيد اسي حقيقت کي طرف اشاره هے که عمل کي باتوں ميں جو بات کفر هوسکتي هے ، وه بات ترک صلواة سمجهي جاتي تهي - ليکن بلاشبه يه وه کفر نهيں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتک ايک شخص اعتقاد کے اُس دروازه سے پلٹ نه جاے ، جس دروازه سے اسلام ميں داخل هوا تها ، اُسوقت تک اُس معني ميں کافر نهيں هوسکتا -

ان الله لا يغفر ان يشرک به و يغفر ما دون ذلک لمن يشاء اور حديث ابو سعيد خدري که " اخرجوا من کان في قلبه مثقال حبة من خردل من الايمان " (رواه البخاري)

[بقيه نوٹ صفحه ٧٥]

ماخوذ هے - جيسا که امام احمد نے کتاب الايمان ميں عطاء بن أبي رباح وغيره کے طرق سے روايت کيا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلاميه ميں لکها هے که يه قول متعدد صحابه سے منقول هے ، اور سلف ميں عام طور پر زباں زد تها - (کمانقل عنه شيخ الاسلام ابن تيميه في کتاب الايمان)

یہ حدیث نہایت اہم ہے' اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے -
اسی لیے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا '
اور امام مسلم کتاب الایمان میں لاے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق
میں اس سے مدد لیں ' اور حافظ نواوی نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر
باب باندھا -

" لیس منـــا " کے معنی ہیں " ہم میں سے نہیں ہے " یعنی
ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرۃ صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن
موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعی کفر کی جگہ کفر سے
کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا
بتلانا مقصود ہوتا تھا - عام معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر
قطعی سے کم ہوتی تھی - جن جن احادیث میں یہ لفظ آتا ہے ' اُن سب
پر غور کیا جاے ' اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش
نظر ہو جو اوپر گزر چکی ' تو یہ بات واضح ہو جائیگی - پس کچھہ ضروری
نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معنی کیے جائیں کہ " لیس علی ھدینا "
یا ظاہر منطوق کو چھوڑکر کوئی اور تاویل کی جاے - یا نفی کو نفی
کمال پر محمول کیا جاے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال
کیے' ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کر کے اُنکے لغوی مفہوم کا اصلی
زور و اثر گھٹانے کی کوشش کریں - ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں '
اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کی نسبت " لیس منا " آیا ہے اور
بعض کی نسبت " لیس منی " - جیسے " النکاح من سنتی فمن رغب عنھا
فلیس منی " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے
جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس منی " میں اپنی ذات خاص کا
ذکر ہے ' جس سے مقصـــود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں
" لیس منا " کی وعیـــد آئی ہے ' اُنسے مقصود وہی ہوگا جو متن میں
لکھا ہے ' اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع
سنت و اسوۂ نبوت ہوگا -

(و فی لفظ لا تلعنه) فو اللہ ما علمت انہ یحب اللہ و رسولہ " (و فی روایۃ - فانه یحب اللہ و رسولہ) اسپر لعنت نہ بھیجو - یہ اللہ اور اسکے رسول کو دوست رکھتا ہے ! حافظ عسقلانی نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا ہے " انہ اتی بہ اکثر من خمسین مرۃ " فتامل !

اسی طرح حضرۃ ابو ہریرہ کی روایت مندرجۂ کتاب الحدات بخاری کہ ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ ہوا اور اسکو پیٹنے کا حکم دیا گیا - کسی نے کہا " اخزاک اللہ " خدا تجھے رسوا کرے - فرمایا " لا تقولوا هکذا - لا تعینوا علیہ الشیطان " اور سنن ابوداؤد میں ابن وہب کے طریق سے ہے " و لکن قولوا اللهم اغفر لہ - اللهم ارحمہ " بد دعا نہ دو - بلکہ یوں کہو - خدایا اسپر رحم کر - خدایا اسے بخشدے ! قلت و ما احلی فی هذا المقام قول الشاعر العـــارف :

فدائے شیوۂ رحمت ' کہ در لباس بہار
بعذر خواهی رندان بادہ نوش آمد !

لیکن صرف قتل مسلم هی ایک ایسی معصیت ہے جسکے لیے قرآن نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کیے ' اور احادیث میں بھی جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد ہوا - صرف اسی ایک بات سے فیصلہ کرلو - خواہ یہ فعل کفر قطعی و مخرج عن الملۃ ہو یا نہو ' لیکن اللہ کی شریعت کے نزدیک اسکا ارتکاب کس درجہ مبغوض و ملعـــون ہے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا ہے ' وہ اللہ کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کی ساری رحمتیں اور برکتیں کھو دیتا ہے ؟

ثالثاً ' اس باب میں فیصلہ کن حدیث وہ ہے جسکو ہم نے بہ اتباع تبویب بخاری' اس فصل کا عنوان قرار دیا ہے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے - یعنی " من حمل علینا السلاح فلیس منا " (رواہ ابن عمر ' و سلمہ ' و ابو موسی الاشعری - و فی روایۃ سلمہ " من سل علینا السیف ") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں هتیار اٹھایا - یعنی حملہ کیا یا لڑائی کی' وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے - " و معنی الحدیث حمل السلاح علی المسلمین لقتالهم بہ بغیر حق " (فتح ۱۳ : ۲۰)

" لیس منا " کے صاف معنی یہ ہیں کہ " وہ ہم میں سے نہیں " یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ و قتال کے ہتیار اُٹھانا ایک ایسا فعل ہے جسکے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں رہتا -

فصل

(اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح)

البتہ واضح رہے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کی متعدد صورتیں ہیں ' اور ہر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف ہے .

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے - اُسکی حرمت کا معترف ہو' اور اس کے ارتکاب پر شرمندۂ و متاسف ' تو اسکا حکم وہی ہے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا - یعنی وہ عملی کفر ہے ' مگر اُسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ہو جائیگا - دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اُس پر جاری ہونگے - عاقبت کا معاملہ اللہ کے ہاتھہ میں ہے -

باقی رہی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ تو اس بارے میں خود صحابۂ و سلف سے اختلاف منقول ہے - ایک جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں ہے : و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا : الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولٰئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات

پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول ہوسکتی ہے - لیکن حضرۃ عبد اللہ ابن عباس سے بخاری و مسلم و غیرھما میں مروی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' اسکی توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا الخ کے یہی معنی کرتے ہیں کہ " لا توبۃ لہ " اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا " ھذہ مکیۃ - نسختہا آیۃ مدنیۃ التی فی النساء "

یہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تقریباً دو تہائی مسلمان عملاً تکفلم مرجی و جہمی زندگی بسر کررہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرتے ہوں ، اور اسلام کی تعریف میں " عمل بالارکان " کا لفظ صرف درسی کتب عقائد کے صفحات پر رہگیا ہے ، عمل میں اسکا کوئی وجود نظر نہیں آتا ، تو اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب بھی بدعت تاویل ہے - اسی بدعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت و مطلوبیت بالکل جاتی رہی اور ادعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ و نزاع پر رہگیا - یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق و فاجر ہو ، لیکن اگر چند نزاعی عقائد میں ہمارا ہم داستان ہوتا ہے تو ہم اسکو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں ؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل و صلاح ہو ، لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں ، تو پھر اس سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا ؟ وہی عملی مرجیۃ و جہمیۃ اگرچہ زبان سے ادعاء اتباع سنت و سلف !

یہی وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا ، اور ان تمام راہوں سے بچتے رہے جو رائے اور تعمق کی بدعتوں تک لیجانے والی تھیں - اسی حدیث کی نسبت امام نواوی اور حافظ عسقلانی وغیرہما لکھتے ہیں " و کان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا بلیس علی ہدینا ، و یقول بئس ہذا القول - یعنی بل نمسک عن تاویلہ " (شرح مسلم مطبوعہ احمدی : ۶۹ - و فتح الباری ۱۳ : ۲۰) یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیر یوں کی جائے کہ " لیس علی ہدینا " اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی برا قول ہے - مقصود انکا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیے -

اسی طرح شیخ عبد الوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے " و من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتعبیر علی ظاہرہا من غیر تاویل ، وانہا اذا اولت ، خرجت من مراد الشارع ، کحدیث . من غشنا فلیس منا - و لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعی بدعوۃ الجاہلیہ . فان العالم اذا اولہا بان المراد لیس منا فی تلک الخصلۃ فقط ، ای و ہو منا فی غیرہا ، ہان علی الفاسق الوقوع فیہا ، و قال مثل المخالفہ فی خصلۃ واحدۃ امر سہل "

سوا کچھہ نہیں ہو سکتا - اور منطوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اسکے خلاف کوئی سبب قوی موجود نہ ہو - کما تقرر فی الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کی آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں ہو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکي ہے اور آیۂ نساء مدنی - خود ترجمان القرآن اور حبر الامہ یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ " نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شئ " اور معلوم ہے کہ ناسخ کیلیے تقدم زمانی ہونا ضروری ہے -

ثالثاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرین کا مصطلحہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مورد الگ الگ ہے - پس اگر نسخ ہو سکتا ہے تو سلف کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعنی عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے - اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ اُنھی کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یھدم ما قبلہ " ہے - یعنی اسلام تمام پچھلی برائیوں کو نابود کردیتا ہے' اسلیے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لاے ' اُن میں کون تھا جس نے خود مسلمانوں سے قتال نہیں کیا تھا ؟ یہی وجہ ہے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن " کا لفظ بھی موجود ہے - یعنی " توبہ کی اور ایمان لایا " جس سے واضح ہوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخری رکوع " و عباد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہوجایگا - وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایمانی اوصاف کا ہے - انھی میں اِن اوصاف کو بھی داخل کیا ہے کہ " نہ تو شرک کرتے ہیں ' نہ کسی نفس کو قتل کرتے ہیں ' نہ زنا کا اُنسے ارتکاب ہوتا ہے " - پھر بتلایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں ' یہ وہ برائیاں ہیں جنکا نتیجہ عذاب جہنم ہے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " ہاں ' لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں ' تو انھوں نے کفر کی حالت میں اسطرح کے جسقدر افعال کیے ہوں ' اُنکا مواخذہ نہ ہوگا - اسلام اُنکی برائیوں سے آلودہ زندگی کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کی قبولیت کا ویسا ہی ایک حکم ہے جیسا صدہا مقامات میں وارد ہے - اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

یعنی اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت " من یقتل مومناً " نے منسوخ کردیا - پس مقبولیت توبہ پراس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي في الفرقان قال مشرکوا مکہ قد قتلنا النفس ودعونا مع الله الہا آخر و اتینا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فہذہ لاولئک ' و أما التي في النساء ' فہو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤہ جہنم لا توبۃ لہ " یعنی جب سورۂ فرقان کی آیت و الذین لا یدعون مع الله الہا آخر و لا یقتلون النفس اتری تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوے بھی تو نجات کب ملیگی ؟ اسپر یہ آیت اتری کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کی ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے' تو الله اُسکی برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومناً " والی آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے اُتری ہے - یعنی جوشخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکی سزا جہنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبرانی نے سالم بن أبی الجعد سے بطریق یحیی الجابر' اور نسائی و ابن ماجہ نے بطریق عمار دھنی روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخھا شيء حتی قبض رسول الله صلی الله علیہ وسلم و ما نزل وحی بعد رسول الله " اسپر سائل نے کہا " أفرأیت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحا ثم اہتدی" ؟ کہا " و أنی لہ التوبۃ و الہدی" ؟ یہ لفظ یحیي الجابر کا ہے - نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہي ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت " فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرۃ ابن عباس کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے :

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فیہا و غضب الله علیہ و لعنتہ کا مطلب اسکے

رابعـا ' احادیث سے بھی اس مذھب کی تائید ھوتی ھے - مثلاً امام احمد و نسائی کی روایت معاویہ بطریق ادریس خولانی مرفوعاً "کل ذنب عسی اللہ أن یغفرہ الا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمنا متعمداً " یعنی تمام گناہ اللہ بخش سکتا ھے لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وہ جس نے جان بوجھکر مومن کو قتل کر ڈالا -

باقی رھیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت ' و عموم عفو و بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط وغیرہ کا ذکر ھے ' تو اس مـــذھب کی بنا پر کہا جا سکتا ھے کہ وہ بھی مثل تمام عمومات قران کے ھیں ' جنکی تخصیص آیۂ نساء اور اسکی مویدات فی السنۃ نے کردی - دونوں میں کوئی تعـــارض نہیں - قتل اور اسلام معاصی کی بخشش تو مسلم ھی ھے - بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ھے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلی " الذی قتل تسعۃ و تسعین نفساً ثم اتی تمام المــائۃ ثم تاب " پیش کی جاے ' تو جواب یہ ھوگا کہ اس کا محل بھی توبۂ اسلام ھے - نہ کہ توبۂ مسلم ' اور وہ بھی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے ھے - مخصصات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا -

غرضکـــہ اس مذھب کی قوت میں کوئی شبہ نہیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذھب کو اختیار کیا - یعنی قبولیت توبہ کو - اور خوارج و معتزلہ کے غلو کی وجہ سے اھل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا - وہ کہتے ھیں کہ ایسے شخص کا معاملہ بڑا ھی سخت ھے لیکن توبہ قبول ھو سکتی ھے - اللہ کے ھاتھہ میں ھے - چاھے بخشدے چاھے نہ بخشے - اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ھی میں ھے نہ کہ پیام یاس و قنوط میں - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا ھی امید افزا ھے ' اور اگر اس پر نظر ڈالی جاے ' تو کچھہ شک نہیں کہ دوسرا مذھب ھی محتاط معلوم ھوتا ھے -

(۲) قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ھے کہ اس فعل کو حلال سمجھے - اور اس پر نادم و متاسف نہ ھو - مثلاً کوئی مسلمان فوج ھو - وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ھمارا کام ھی ھے - مسلمان سامنے ھونگے تو اُنھی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اُٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں - یا یوں سمجھیں کہ ھمارے مالکوں کا یہی حکم ھے - ھمنے اُنکا نمک کھایا ھے ' اسلیے ھمیں ایسا ھی کرنا چاھیے - یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلاکر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں - تو اس صورت میں تمام امت

حمـــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اُسکا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کی ضـــرورت پیش آے ؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں -

لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے- یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کیا حکم ؟ فرمایا جزاؤہ جہنم خالداً فیہا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا - الخ پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے - یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کردی - اسی لیے حضرۃ ابن عباس نے کہا " نسختھا آیۃ مدنیۃ فی النساء " کیونکہ سلف کی اصطلاح میں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیید پر ہوتا تھا - وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیے- اور اسی اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کیلیے انہوں نے کہا " ھذہ لاولٰئک " یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلیے ہے - اور امام بخاری کی روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجۂ کتاب التفسیر میں کہا " کانت ھذہ فی الجاھلیۃ " یہ حکم مشرکین جاہلیہ کیلیے تھا - نہ کہ مسلمانوں کیلیے -

اور یہ جو انہوں نے کہا کہ والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر و لا یقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے ' اسلیے - " الا من تاب " اتری ' تو اسکی تائید مفسرین کی اِس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ " نزلت فی قوم یئسوا من التوبۃ " یعنی اُن لوگوں کے حق میں اُتری جو زمانۂ کفر کی بد عملیوں کی بخشش سے مایوس ہوگئے تھے- ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی ان اللہ لا یغفـر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور سورہ زمر کی آیۂ رحمت: یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الخ وحشی قاتل حمزہ کے بارے میں اُتریں - وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی' پیغمبر کے چچا کو قتل کیا ' فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا - انھی تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے - اب اگر میں مسلمان بھی ہوگیا تو کیا فائدہ ؟ مجھے تو نجات مل ہی نہیں سکتی - اسپر " الا من تاب و امن " اتری ' اور پھر مزید بشارت امید کیلیے سورہ نساء اور سورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں - تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابن عباس کی شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں ؟ انکا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں اُنکو برسر حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہو گا ' لیکن چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ حضرۃ امام حسین اُس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں' اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہوجانا عجیب نہیں - حضرۃ امام جب مدینہ سے چلے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حق پرستانہ لڑکر شہید ہوے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حالتیں مختلف ہیں - اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی ' نہ اہم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اہل حل و عقد کا اسپر اجماع ہوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے ' پھر حضرۃ علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافہ بنا - اہل مدینہ اسوقت تک متفق نہیں ہوے تھے - کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یکقلم مخالف تھی اور حضرۃ امام حسین سے بیعت کرنے کیلیے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی - انھوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تحت حکومت سابق حکمراں سے خالی ہوچکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی (یعنی کوفۂ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اہل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جاے -

اگر کہا جاے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعا اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے - یزید کو گو ولی عہد

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے' اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاھیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ھی پر موقوف نہیں ہے - ہر معلل حرام عدم ماول کے لیے یہی حکم ہے -

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ھوکر اُنکی فتح و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ' ساری معصیتیں' ساری نا فرمانیاں' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو' وہ قطعاً کافر ہے' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ھی کا ارتکاب نہیں کیا ہے' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملۃ ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

فصل

(واقعۂ امام حسین علیہ السلام)

بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گو نا اہل ہو' تو پھر حضرۃ امام حسین علیہ السلام نے یزید بن

فصل

(شـــرط قـــرشیـــۃ)

مندرجۂ بالا مصول سے یہ بات واضح ھوگئی کہ انتخاب خلیفۂ ر امام کیلیے متعدد شرطیں ھدں - ازانجملہ ایک عرصہ تک علماء کي راے رھي کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ھونا چاھیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعہ باقي نہ رھا ھو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کیلیے بجز اسلام اور انعقاد حکومت (یعنی حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لیدے) کے اور کوئي شرط نہیں ھے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئي بھي قائم نہ ھوا - بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیۃ کی پائي جاتی تھی تو اور بہت سي اھم شرطیں مفقود تھیں - بنیادي شرط یہ ھے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائي جاے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ھو' سو یہ شرط کسی کي خلافت میں بھی نہ تھی - پھر خلیفہ کو عادل و منصف ھونا چاھیے - حکومت نظام شوری کے ساتھہ کرنی چاھیے - سنہ رسول اور سنت خلفاء راشدین پر عامل ھونا چاھیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح) کے کوئي بھی ان سب کا جامع نہ تھا - عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ھاتھہ آئی - پھر مصر کے عباسي خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پر قابض ھوا - آخري مصري خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ھاتھہ پر بیعت کی - یہ خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامی کیلیے شرع و امت کا مرکزي اقتدار ھے - اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائي جاتی نہیں تو ان میں سات نہ سہی - یعنی یہ عرب بھي نہیں اور قرشي بھی نہیں - لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ھے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا' اسلیے شرائط کی بحث کا یہاں کوئي سوال ھی پیدا نہیں ھوسکتا -

منجملہ شروط خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کي ھے - یعنی خلیفہ آزاد ھو - غلام نہو - مصلحت و ضرورت بھي اسکي ظاھر ھے' مگر معلوم ھے کہ تمام دنیا کي تاریخ میں صرف مسلمانون ھي کي تاریخ اسکي

مقرر کردیا ہو، لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجاتی صرف نہ بات کوئی حجۃ نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو اُنھوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا اُبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے ، تو نکاتک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کیلیے بیعت کرچکے ہیں ، اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرۃ امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی ، بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے ، اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں ، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھہ اپنے تئیں قید کرادے - پس اُنھوں نے دوسری راہ کمال عزیمۃ دعوۃ کی اختیار کی ، اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوے -

پس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے ، اُسوقت حضرۃ امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - اُنکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا ، اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو ، وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

" الائمة من قریش "

فصل

(تحقیق امارۃ قریش و شرط قرشیۃ)

جہانتک قرآن و سنت' آثار صحابہ' اور تمام دلائل شرعیہ و عقلیہ کا تعلق ہے' کوئي نص قطعي موجود نہیں ' جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کیلیے شرعـاً مخصوص کردیا ہے - احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں' سب صحیح ہیں - یہ بھی مروي ہے کہ حضرۃ ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اسکو پیش کیا اور کسي نے انکار نہ کیا - یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی - اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیہ باقی رہا ' لوگ اسکو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے - تا ہم ہمہ ان ساري باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی ہے - ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھہ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے ' نہ کسی خاندان میں - اسلام جو اس طرح کی تمام قومی و نسلی امتیازات مٹانے ' اور ہمیشہ کیلیے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کردینے ' اور " عمل " کے قانون الہی کے آخري اعلان کیلیے آیا تھا ' اسکے نام سے ساری باتیں مان لی جا سکتی ہیں ' لیکن اسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اسنے خاندان و نسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو - یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو' اسی کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جائے ؟

تفصیل و دلائل کی ضرورت نہیں - یہ بات ہر اُس شخص پر جو اسلام سے کچھہ بھي واقفیت رکھتا ہے' روشن ہے کہ ہر طرح کی نسلی و خاندانی

نظیر پیش کرسکتی ھے کہ غلاموں نے امامت کی ھے، پادشاھت کی ھے، اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے انکے آگے اطاعت کا سر جھکایا ھے۔ خود حدیث میں وارد ھے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ" اور روایت ابوذر عند مسلم کہ " و ان کان عبداً مجدع الاطراف " اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللــہ ' اسمعوا لہ و اطیعوا " یعنی اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشی غلام بھی تمھارا امیر ھو جائے تو اسکی سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نووی اسکی شرح میں لکھتے ھیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع واطیع و ان کان دنی النسب، حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف ' وطاعتہ واجبۃ ' و یتصور امارۃ العبد اذا ولاہ بعض الائمۃ' او تغلب علی البلاد بشوکتہ و اتباعہ ' و لا یجوز ابتـــداء عقد الولایۃ لہ مع الاختیار' بل شرطھا الحریۃ " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعنی یہ جو فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام ھو' تو مقصود اس سے یہ ھے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ھو' لیکن اگر خلیفہ ھوگیا ھے تو اطاعت کرو' اور اسی بنا پر غلام امیر ھو سکتا ھے اگر کسی امام نے مقرر کردیا ھو - یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ھوگیا ھو - البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسی غلام کو امیر منتخب کیا جائے کیونکہ آزاد ھونا شرائط امامت میں سے ھے " اور فتح الباری میں ھے " لو تغلب حقیقۃ بطریق الشوکۃ ' فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنۃ" (۱۳ : ۱۰۹)

جب غلبۂ و تسلط کی صورت میں خود حافظ نووی (جو شرط قرشیہ کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ھیں) نص حدیث کی بنا پر تسلیم کرتے ھیں کہ ایک دنی النسب ' خسیس الحال ' حبشی غلام ' امیر ھوسکتا ھے اگرچہ آزاد ھونا شرط ابتدائی ھے ' تو پھر ظاھر ھے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کی خلافت کیلیے شرط قرشیۃ کا موجود نہ ھونا کیوں مخل ھو اگرچہ قرشیۃ ایک شرط ابتدائی مان لی جائے ؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھی کہ قرشی ھونا شرائط شرعیہ میں سے ھے' ترکان عثمانی کی خلافۃ مسلمۂ و منعقدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ' اور شرائط کی پوری بحث موجودہ مسئلہ سے بکقلم غیر متعلق ھے' تاھم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ھوگا کہ اس شرط کی حقیقت پر بھی ایک فیصلہ کن نظر نظر ڈال لی جائے -

معمورۂ دلے۔ اگرت ہست ' بار گوے
کین جا سخن بہ ملک فریدون نمی رود

عملاً یہ حال تھا کہ آپ نے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بھیجی ' اسکی سرداری اُسامہ کو دی جنکے والد زید آپکے غلام تھے - بعض ظاہر بینوں پر یہ بات گراں گزری تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارۃ ابیہ و قد کان لہا اھلاً ' و ان اسامہ لہا اھل " تم لوگ پہلے زید کی سرداری پر بھی طعن کرچکے ہو ' حالانکہ وہ اس کام کا اہل تھا ' اور اب اُسامہ سردار بنایا گیا ہے اور وہ اس کام کا اہل ہے - " اہل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار ہے - کیونکہ بنیاد معاملۂ امارت و سرداری کی صرف اہلیت و قابلیت ہے - اور کچھ نہیں - حضرۃ عائشہ کا قول مشہور ہے " لو کان زید حیاً ' ما استخلف رسول اللہ غیرہ " اگر آنحضرۃ کے غلام زید زندہ رہتے تو آپ اُنکے سوا اور کسی کو اپنا جانشین نہ بناتے - (۱) اُسامہ کو جس لشکر کی سرداری دی گئی تھی ' جانتے ہو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تھے ؟ بڑے بڑے مہاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرۃ ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا ہے - وہی ابوبکر (رض) جو چند دنوں کے بعد رسول اللہ کے جانشین اور تمام امت کے امیر ہونے والے ہیں !

بندۂ عشق شدی ' ترک نسب کن جامی
کین درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست !

---

(۱) اللہ اللہ ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رہچکے ہیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانہ پرستش کر رہے ہیں ' کیونکر یاد دلایا جاے کہ کسی زمانے میں اللہ اور اُسکے رسول کے رشتہ کے سوا نہ کوئی رشتہ مقبول تھا - نہ عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کی جاتی تھی - حضرۃ عمر کا ایک واقعہ اِنہی اُسامہ کی نسبت ناقابل فراموش ہے - آپکے لڑکے عبد اللہ نے ایک بار شکایت کی کہ تقسیم اموال میں اُسامہ بن زید سے مجھے کم درجہ پر کیوں رکھا جاتا ہے ؟ حضرۃ عمر نے کہا " کان ابوہ احب الی رسول اللہ من ابوک ' و کان احب الی رسول اللہ منک " اسلیے کہ تیرے باپ سے زیادہ اُسکا باپ اللہ کے رسول کو پیارا تھا ' اور اسلیے کہ وہ خود بھی تجھسے

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا
ظہور عرب میں ہوا جنکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک
چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسری کو بھی ذلیل و
حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ بقیہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی
امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی
اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی ' اور اللہ کے اس قانون
فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ " یا ایہا الناس ! انا خلقناکم من ذکر
و انثی ' و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم
(۴۹ : ۱۴) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل
ہے ' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے
کہ باہمدگر پہچان اور تمئیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے
پر اپنی بڑائی جتلاے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی
ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخری ' و ان لیس للانسان الا ما سعی '
و ان سعیہ سوف یری - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار
ہے ' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی
کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر
قول و فعل یہ رہا کہ " لیس منا من دعی الی عصبیۃ " اور " لیس منا
من قاتل علی عصبیۃ " اور " لیس منا من مات علی عصبیۃ " یعنی وہ
ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں
کو بلاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے
جاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ
کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو
سنایا ' اسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی
عام مساوات کا اعلان " لا فضل لعربی علی عجمی ' و لا لعجمی علی عربی -
کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علی احد الا بدین
و تقوی - الناس کلہم بنو آدم ' و آدم من تراب " (رواہ الجماعہ) یعنی
اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے -
اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم
کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ' اور
وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

صرف اپنے هی خاندان کیلیے مخصوص کردے ؟ وہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمھارے سارے بنائے هوے حق جھوٹے هیں - سچا حق صرف عمل اور اهلیت کا هے - لیکن خود اپنے لیے یہ کر جائے کہ نہ تو عمل اور نہ اهلیت ' بلکہ صرف ملک ' صرف قوم ' صرف نسل ' اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجیب بات هوسکتی هے ؟

خیر ' یہ بات کتنی هی عجیب هوتی ' لیکن هم بلا تامل باور کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت هوتی - همارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ هے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت هو - یہ کچھہ ضروری نہیں کہ هماری نارسا سمجھہ اُسکا احاطہ و ادراک بھی کرسکے - لیکن استعجاب کی ساری بنیاد همارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں هے - یہی هے کہ کسی اصل سے ایسا ثابت نہیں ' اور چونکہ ثابت نہیں ' اسلیے هم کو یقین هے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں هونی چاهیے -

شارع کے بیانات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع هوے هیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی هے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھیرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کی هے - یہ دوسری صورت مجرد بیان واقعہ و حال هے ' اور اگر آیندہ کی نسبت هے تو پیشین گوئی هے - حکم اور تشریع نہیں هے - یعنی صرف ایک خبر هے کہ ایسا هوگا - یہ نہیں هے کہ ایسا کرنا چاهیے -

قریش کی خلافت کی نسبت جسقدر روایات موجود هیں ' سب دوسری قسم میں داخل هیں - یہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جائے ' تو بلا کسی اضطراب کے یہ حقیقت روشن هوجاتی هے :

(۱) یہ حدیث حضرۃ ابو هریرۃ ' ابو بردہ ' کثیر بن مرۃ ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرۃ ' معاویہ بن سفیان ' وغیرهم مختلف صحابہ سے مروی هے ' اور عمدہ طریق وہ هیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کیے هیں - لیکن کسی طریق و روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت هو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

بلال حبشي ، صہیب رومي ، سلمان فارسي (رض) کا جو حال تھا ، معلوم ہے - بلال کو عمر فاروق جیسے قرشی نے " ہمارا آقا و سردار " کہا - اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے " نعم العبد صہیب ! لو لم یخف اللہ لم یعصہ " صہیب اللہ کا کیا نیک بندہ ہے ! اگر خوف عذاب نہ ہوتا جب بھی اسکی فطرة بدي برمائل نہ ہوتی ! مرنے کے وقت وصیة کی کہ نماز جنازہ وھي پڑھائیں - سلمان کا یہ حال تھا کہ حضرة علی علیہ السلام فرماتے "سلمان منا اهل البیت" سلمان تو ہم اہل بیت نبوة میں سے ہے ! اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک صدي کے اندر ھي اندر عرب کی نسلی عصبیة کا نام و نشان باقی نہ رہا ، اور وہ زمانہ آگیا جب بزرگی و فضیلت کے ہر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے ہاتھ میں تھی - عرب اُنکے علم و عمل کے آگے اسی طرح جھک گئے تھے ، جس طرح ایک قرشی و ہاشمي کے آگے جھک سکتے تھے - حتی کہ خلیفۂ ہشام بن عبد الملک کو امام زہری سے کہنا پڑا " و اللہ لیسودن الموالی العرب ، و یخطب لہم علی المنابر ، و العرب تحتہم ! " (عقد الفرید)

پھر کیا ایسی حالت میں ایک لمحہ کیلئے بھی باور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا داعی تمام دنیا کو تو قومي و نسلی امتیازات کي غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہو اور مساوات عامہ کی طرف بلا رہا ہو ، لیکن (نعوذ باللہ) خود اس درجہ خود غرض ہو کہ قیامت تک کیلیے پادشاہی و خلافت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳)

زیادہ رسول اللہ کے نزدیک محبوب تھا ! یعنی دعاے استحقاق ہماری آپس کی رشتہ داریاں نہیں ہوسکتیں - اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک جو محبوب ہو ، وھي سب سے زیادہ حقدار ہے ، اور اُسی کو ہر طرح کی بڑائی پہنچتی ہے - ایسے صدہا واقعات اُن عہدوں میں گزر چکے ہیں - اسلام نے یہ انقلاب اُس ملک میں پیدا کردیا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست رہتا تھا - جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں اُنسے مقابل ہوں ، وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداري بھی مان لینے کیلیے بلا چون و چرا طیار ہیں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دي جا رہي ہے - وہ گردن جھکا دیتا ہے اور تسلیم کرلیتا ہے !

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے - صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبي بکلمة خفیت علی - فسألت ابي ماذا قال ؟ فقال کلھم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشرۃ خلیفة " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة " مروي ہے - شعبي کے طریق عند ابي داؤد میں ہے " فکبر الناس و ضجوا " اور اسماعیل بن ابی خالد عن ابیه سے اسی میں ہے " لا یزال ھذ الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفه کلھم یجتمع الامة علیه" طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کی " لا تضرھم عداوۃ من عاداھم " بعض طرق میں ہے " لا یزال ھذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " (روا ھما احمد) اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفه سے روایت کی ہے " لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش " یہی روایت ابو داؤد میں اس اضافه کے ساتھه ہے " فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ما ذا ؟ قال ثم یکون الھرج "

حاصل تمام روایتوں کا یه ہے کہ آپ آیندہ کی نسبت خبر دے رہے ھیں اور فرماتے ھیں - ضرور ہے کہ بارہ خلیفه ھوں - سب قریش سے ھونگے - کسی دشمن کی دشمنی انکو نقصان نہیں پہنچا سکیگی - جبتک یه بارہ خلیفه حکمراں رھینگے ' اسلام با عزت رھیگا ' اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاھر کردیا کہ اس بارے میں جو کچھه کہا جا رھا ہے ' اس سے صرف آیندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے - حکم و تشریع نہیں ہے - هم نے تمام روایات و طریق نقل کردیے - کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتی ہے جسکو امام بخاري نے باب " الامــــراء من قریش " کی بنیـــاد قرار دیا ہے - تمام روایات کے ساتھه یه حدیث سامنے رکھلی جاے' تو پوري طرح اصلیت روشن هو جائیگی - امیر معاویه کی مجلس میں ایک مرتبه ذکر آیا کہ عبد الله بن عمرو کہا کرتے ھیں " سیکون ملك من قحطـــان " قحطان میں سے ایک پادشاہ ھوگا - امیر معاویه یه سنکر غضبناک ھوے اور خطبه دیا : " بلغنی ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب الله و لا تؤثر عن رسول الله " الخ - مجھه تک

عن ابي هريرہ " الناس تبع لقريش في هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و کافرهم لکافرهم" (مسلم) دوسرے طريق ميں زيادہ وضاحت هے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و کافرهم تبع لکافرهم " (مسلم) جابرکی روايت ميں " الناس تبع لقريش في الخير و الشر " هے - امام نواوي اسکی شرح ميں لکهتے هيں " معناه في الاسلام و الجاهلية - لانهم کانوا في الجاهلية رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و کانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا و فتحت مکه ' تبعهم الناس ' رجاءت و فود العرب من کل جهة ' و دخل الناس في دين الله افواجا " (جلد ۲ : ۱۱۹) پس معلوم هوا که اس حديث کو مسئلهٔ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئي تعلق نهيں - مقصود نه هے که عرب ميں خاندان قريش حج کے اهتمام اور بيت الله کی همسايگی کی وجه سے تمام قبائل کی سرداري رکهتا تها ' اور هرکام ميں سب کی نظريں اسی پر اٹهتي تهيں - جب تک مکه فتح نهوا اور قريش مسلمان نه هوے ' تمام عرب کے قدم رکے رهے - جونهی قريش مسلمان هوے ' سب نے انکي پيروي کی ' اور اپنے اپنے وفد بهيجنا شروع کرديے - حتی که تمام عرب مسلمان هوگيا - پس فرمايا " الناس تبع لقريش " لوگ جاهليه اور اسلام ' دونوں حالتوں ميں قريش کے تابع هوے - وہ بگڑے رهے تو سارا عرب بگڑا رها ' وہ سنورے تو سب سنور گئے - اور يه بالکل حق و معلوم هے - هميشه اور هر ملک ميں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ايسا هی اثر ملک و قوم پر هوتا هے - اچهي بري ' هر طرح کی باتوں ميں لوگ انهي کي پيروي کرتے هيں - حضرة ابو بکر کی روايت سے يهی حديث مسند امام احمد ميں يوں مروي هے " و الناس تبع لبرهم ' و فاجرهم تبع لفاجرهم " اور بيهقي نے حضرة علی سے روايت کيا " کان هذا الامر في حمير فنزعه الله منهم و جعله في قريش " ليکن اس سے نه بات کيونکر ثابت هوئی که مسلمانوں کا خليفه بجز انکے کوئي دوسرا هو هی نهيں سکتا ؟ اسلام صرف عرب هي کا اسلام نه تها جس کے سردار قريش تهے - اسلام تمام عالم کيليے اسلام هے جسکی سرداري و رياست صرف علم و عمل حق هي کو ملسکتي هے اور يه سرداري اسلام هی نے دلائي هے !

(۲) امام بخاري نے جابر بن سمرہ سے بطريق شعبه ايک اور حديث روايت کي هے " سمعت النبي صلعم يقول يکون اثنا عشر اميراً - فقال کلمة لم اسمعها - فقال ابي انه قال کلهم من قريش " يه حديث مختلف

کي قید موجود ھے - اس سے ثابت ھوا کہ جب قریش میں ایسے لوگ نہ رھیدگے جو دین قائم رکھہ سکیں تو پھر کوئي غیر قریشي مسلط ھو جائیگا -

(۴) صحیح بخاري کے ترجمۂ باب سے واضح ھوتا ھے کہ امام بخاري کا بھي مذھب یہي ھے - انھوں نے باب باندھا ھے " الامراء من قریش " قریش میں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نہیں باندھا کہ امارت ھمیشہ قریش ھی میں ھونی چاھیے -

(۵) امام بخاری نے ایک دوسری روایت ابن عمر کي درج کی ھے جو مسلم وغیرہ میں بھی ھے " لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان " یعنی یہ چیز قریش ھی میں رھیگی جب تک دو آدمي بھی اُن میں باقي رھینگے -

اس روایت سے ھمارے بیان کی اور مزید تصدیق ھوگئی - حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ھے - اگر اسکا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی خاندان قریش میں باقی رھینگے ' خلافت اُنھی کے قبضہ میں رھیگی ' تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ھے - دو کی جگہ ھزاروں قریشی انسان موجود رھے اور خلافت قریش سے نکل گئی - پس ضرور ھے کہ " ما بقی منھم اثنان " کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے - اور وہ یہی ھے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے باقی رھیدگے ' جو خلافت کے اھل ھونگے ' تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ھوگا - مگر جب انقلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمی بھی اھل نہ رھیں ' تو مشیت الہی اپنے قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادیگی ' اور قریش خلافت سے محروم ھوجائیدگے - چنانچہ تاریخ شاھد ھے کہ ایسا ھی ھوا - معتصم کے بعد سے عباسیہ کا زوال شروع ھوگیا تھا - آخر میں یہانتک پہنچ گیا کہ حکومت دوسروں کی تھی ' عباسی خلیفہ صرف اپنے عشرت کدوں کیلیے رھگیا تھا - تاھم اقتدار خلافت اُنھي کا رھا - کسی کو جرأت نہ ھوئی کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کیسي کیسی طاقتور اور باجبروت عجمي و سلجوقی حکومتیں قائم ھوئیں ؟ لیکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف یہی سمجھتے رھے کہ مقام خلافت سے اُنھیں خدمت و یاوری خلافت کا کوئي لقب ملجائے ' اور بس - اگر ایک قریشي ' فاطمی ' عباسي ' تن تنہا کسی ھنگامۂ و قتال سے بچکر

یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں کچھ لوگ ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں کہ نہ تو قرآن میں ہیں نہ رسول سے ثابت ہیں : " انی سمعت رسول اللہ یقول ان ھذا الامر فی قریش ، لا یعادیھم احد ، الا کبہ اللہ علی وجھہ ، ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ بات (یعنی حکومت) قریش ھی میں رھیگی جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو انکی مخالفت کرے گا ، اللہ رسوا ھوگا - یعنی کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معلوم ھوگیا کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئی تھی ، اور حرف بہ حرف پوری ھوئی - یعنی آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کی قابلیت رھیگی ، حکومت انہی کے قبضے میں رھیگی - جو انکے خلاف اٹھے گا ، ناکام رھیگا - چنانچہ ایسا ھی ھوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رھی ، اسلامی خلافت کے وھی مالک رھے - جب اسکے اھل نہ رھے ، عجم و ترک نے یہ بار اٹھالیا - بحکم ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید ، و ما ذالک علی اللہ بعزیز (۳۰ . ۱۶) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقی رھا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار ، تو یہ بھی صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر گھبرا اٹھے کہ دوسری بادشاھت بننے والی ہے - اصلیت پر غور نہیں کیا - قحطانی والی حدیث بطریق روع ثابت ہے ، اور قریش والی حدیث میں " ما اقاموا الدین " کی قید موجود ہے - پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں - اسی بنا پر ائمۂ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ھوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۂ قریش والی روایت تشریع نہیں ہے محض خبر ہے - اور وہ بھی " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید - شیخ الاسلام لکھتے ھیں " ھذا انکار من معاویہ بلا تامل ، و الا ، وقد جاء حدیث القحطانی مرفوعاً ، و ما ذکر فی المعارضہ ، مھو جحۃ لما فیہ من التقیید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلانی نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے " الذی انکرہ معاویہ فی حدیث ما یقوبہ لقولہ ما اقاموا الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فیتسلط القحطانی علیہ و ھو کلام مستقیم " (۱۳ ۱۰۲) یعنی امیر معاویہ کا انکار کردینا انکی بے غوری کا نتیجہ تھا - ورنہ قحطانی والی بات ثابت ہے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کی ، اس کا آخری ٹکرہ خود انھی پر حجت ہے اور ابن عمرو کی تصدیق کررھا ہے - یعنی اس میں " ما اقاموا الدین "

معلوم ھے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و ادان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ھے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ھے ' وھی خلافت قریش کا بھی ھے - یا تو یہ بیان حال ھے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ایسا ھوا کہ آپ خود قرشی تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ھوے ' اور ادان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملک فی قریش ' و القضاء فی الانصار ' و الاذان فی الحبشۃ " کی تقسیم ھوگئی تھی - یا آیندہ کی نسبت خبر ھے کہ حکومت قرشیوں کے ھاتھہ میں رھیگی ' قضاء پر انصاری مامور ھونگے ' اور اکثر ایسا ھوگا کہ موذن حبشی ھوں - کوئی خاص آنے والا عہد پیش نظر ھوگا - اسی کی نسبت یہ خبر آپ کی زبان مبارک پر طاری ھوگئی -

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحیحین نے اختیار کیے ھیں ' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ھے جسکو ابو داؤد طیالسی ' امام احمد ' ابو یعلی ' طبرانی ' وغیرھم نے حضرۃ ابو برزہ اور انس سے روایت کیا ھے " الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا ' و وعدوا ' فوفوا ' و استرحموا " اور طبرانی نے حضرۃ علی سے مرفوعاً روایت کیا ھے " الا ان الامراء من قریش ما أقاموا ثلاثا " الخ - اسی متن کو امام بخاری نے تاریخ میں اور طیالسی و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھی روایت کیا ھے " الائمۃ من قریش ما اذا حکموا وعدلوا " نسائی و حاکم نے بھی ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لی ھے - حاصل ان سب کا یہ ھے کہ فرمایا - امرا اور آئمہ قریش میں سے ھیں - جب تک ان میں عدل گستری ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقی رھینگے -

اس حدیث سے بھی ثابت ھوگیا کہ قریش کی خلافت اھلیت و صلاحیت کے ساتھہ مشروط تھی - یعنی پہلے ھی سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقی رھینگے ' خلافت اُنھی کے قبضہ میں رھیگی - یہ بات نہ تھی کہ تشریعاً ھر حال میں خلافت کو اُنھی کا حق بتلایا ھو -

(۸) اس سے بھی بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کی نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت ' سخت کلمات وعید بھی آئے ھیں - حتی کہ کلمۂ " لعن " بھی آیا ھے - یہ بھی صاف صاف موجود ھے کہ

نکل جانا ' تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ' ایک عالم اُسکے ساتھہ ہوجاتا اور اپنی حکومت قائم کرلیتا - گویا ہر قرشی کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھی - ایک اموي شہزادہ شام کے قتل عام سے بچکر نکلا اور افریقہ ہوکر یورپ جاپہنچا - وہاں پانچ صدیوں تک کیلیے اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوگئی - لیکن جب عرب و قریش کے تنزل و ادبار کا وہ آخري وقت آگیا کہ دو قرشی بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل و لائق باقی نہ رہے ' تو تاریخ خلافت نے معاً صفحہ اُلٹ دیا ' اور یکقلم غیر عربی و غیر قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا - و کان وعداً مفعولا !

(۹) اشتباہ و اضطراب کے تمام پردے اُٹھہ جاتے ہیں جب ترمذي کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھہ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے ' اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم و مکمل ٹکڑہ ہے جو بقیہ طرق میں رہگیا تھا ' اس طریق میں ملجاتا ہےتا کہ اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کر لیا جائے - قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروي ہے ' لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ ' جابر بن سمرہ ' اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں - اور امام مسلم ' احمد ' ابو داؤد طیالسی ' بزار ' طبرانی کے تمام طریق تو حضرت ابو ہریرۃ ہی کی روایت سے نکلے ہیں - انہی ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاري ترمذي نے روایت کیا ہے : " الملك فی قریش ' والقضاء فی الانصار ' والاذان فی الحبشة " (اسنادہ صحیح) اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں " الخلافة فی قریش ' والحکم فی الانصار ' والدعوۃ فی الحبشة " (رجالہ موثقون - و ایضاً رواہ الطبرانی و البزار من وجہ آخر)

اس روایت میں ایک ساتھہ تین باتوں کا ذکر ہے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوۃ اہل حبش میں - پس جو معني ایک بات کے ہونگے ' وہی بقیہ دو کے ہونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا ' وہی پہلي بات کا بھی ہوگا - اگر پہلی بات (یعنی قریش کی حکومت) بیان حال اور پیشین گوئی نہیں ہے - امر و تشریع ہے - تو بقیہ دو جملوں کو بھي امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضي ہمیشہ انصاري ہی ہونا چاہیے ' اور مؤذن بجز حبشي کے دوسرا ہو نہیں سکتا - لیکن

هیں کہ الفاظ حدیث میں صورت خبر کی ہے - امر کی نہیں - اور جب کوئی دلیل قوی و ظاہر موجود نہیں - نہ قران میں ، نہ سنت میں ، نہ اقوال صحابہ میں ، تو پھر کیا مجبوری پیش آئي ہے کہ یہ تاویلات اختیار کی جائیں ، اور نص کو بلا وجہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جاے ؟

(۱۰) اس حدیث کی تمام روایات و طرق پر ہم نے نظر ڈال لی - اب صرف دو روایتیں اور رہگئیں جو مناقب قریش میں آئی ہیں ، اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے - بیہقي و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قدموا قریشا و لا تقدموها " یعنی قریش کو مقدم رکھو - یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ہر بات میں آگے رکھو - خود پیچھے رہو -

لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے ، اس سے بھي یہ بات نہیں نکلتی کہ قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں ہر طرح تقدم و ریاست حاصل تھی - لوگ انکی ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو - اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ہمیشہ قریش ہی ہیں ؟

دوسري روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے - آنحضرۃ نے فرمایا " قریش قادۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار ہیں - لیکن اسکو بھی اختصاص خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں - یہ تو معلوم ہے کہ سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف انہی میں سے ہوسکتا ہے ؟ کیا ایک ایسے اہم مسئلہ کیلیے اس طرح کی باتیں " نص " کا کام دیسکتي ہیں ؟

(۱۱) باقی رہي حدیث " الائمۃ من قریش " اور یہ استدلال کہ حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کي اور سب نے تسلیم کرلیا ، تو اس سے بھی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں ملسکتي -

اولاً ، یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والي روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں - فتح الباري میں ہے " الائمۃ من قریش - رجالہ رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع " (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ، اس سے بھي یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسي مسلمان کو نہیں ؟ یہ بھي آیندہ کي نسبت خبر ہے ،

اللہ تعالی اپنی سنت عادلہ کے مطابق ایسے لوگوں کو اُنپر مسلط کردیگا جنکا تسلط اُنکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہوگا - چنانچہ طبرانی کی سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یہ بھی ہے " فمن لم یفعل ذلک فعلیہ لعنۃ اللہ " یعنی تین وصف عدالت ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسپر اللہ کی پھٹکار - اور احمد و ابو یعلی نے حضرۃ ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اہل ہذا الامر ما لم تحدثوا ' فاذا غیر تم' بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " (رجالہ ثقات الا انہ من روایۃ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود' عن عم ابیہ عبد اللہ ابن مسعود ' و لم یدرکہ - و ایضاً اخرجہ احمد عن ابی مسعود الانصاری من طریق عبید اللہ و فی سماعہ نظر' و لہ شاہد من مرسل عطاء بن یسار - اخرجہ الشافعی و البیہقی بسند صحیح) یعنی اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئی نئی روش اختیار نہ کرو ' تم ہی اس بات کے اہل ہو - لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدل دی تو یاد رکھو - اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چھڑی کی طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کی مزید تصدیق ہوگئی - اول یہ کہ خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر ہیں - تشریع و امر نہیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدی گئی ہے کہ ہمیشہ خلافت اُنہی میں نہیں رہیگی - چنانچہ حرف بہ حرف یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط ہوے ' جنہوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتی کہ حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقی نہ رہا - فصلی اللہ علی الصادق المصدوق الذی لا یخبر عن شئ ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

(۹) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاہا ' انکو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر کا ہے نہ کہ امر کا - اور کوئی حدیث ایسی قوی ظاہر الدلالہ موجود نہیں جس سے انکا مدعا ثابت ہوسکے - وہ مجبور ہوے ہیں کہ انہی احادیث کو تاویل و توجیہ کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبی کی نسبت لکھا ہے " کانہ جنح الی انہ خبر بمعنی الامر " (۱۳ : ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فہو بمعنی الامر کانہ قال ائتموا بقریش خاصۃ " (ایضاً) پس اسپر سب متفق

فصل

(دعویٰ اجماع)

اب صرف ایک بات رہ گئی - یعنی علماء اسلام کا شرط قرشیۃ پر زور دینا ، اور قاضی عیاض وغیرہ کا دعوئے اجماع ، تو اس بارے میں چند امور قابل غور و نظر ہیں :

اولاً اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو یقین کرتے تھے ، بلکہ اسکے خلاف شواہد موجود ہیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے - اگر معاذ بن جبل میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد انہی کو خلیـــفہ بناؤنـگا - یہ ظاہر ہے کہ معاذ قرشی نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلیے قرشیہ شرط ہوتی تو حضرۃ عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر انکی خلافت کا تصور بھی کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرۃ عمر کا ایک اور قول بھی ابو رافع کی روایت سے موجود ہے " ان ادرکني احد رجلين ثم جعلت هذا الامر اليه ، لوثقت به - سالم مولي حذيفه و ابو عبيدة الجراح " اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدہ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تـک زندہ رہتا اور خلافت اسکے سپرد کردیتا ، تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ہوتا - اگر حضرۃ عمر جیسا صحابۂ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے ہیں ، تو پھر کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قرشی کو نہیں ملسکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود آئمـــۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافـــظ ابن حجر قاضی عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے ہیں " قلت و يحتـــاج من نقل الاجماع الى تاويل ما جاء عن عمـــر من ذلك - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادركني اجلي الخ " الى ان قال " فيحتمـــل ان يقـــال لعل الاجمـــاع انعقـــد بعد عمر على اشتراط ان يكون الخليفـــة قرشيـــاً ، او تغير اجتهاد عمر في ذلك - و الله اعلـــم " (۱۳ : ۱۰۶) یعنی یہ جو قاضی عیاض نے کہا کہ خـــلافت کے مخصوص

اور انہی حدیثوں کا ایک ٹکڑہ ہے جو دوسرے طریقوں سے صریح پیشین گوئی کے لفظوں میں پڑھ چکے ہو - حضرة ابوبکر نے یہ بات اسلیے پیش کی تھی کہ پیشتر سے ہونے والے واقعات کی خبر دیدی گئی ہے - پس ایسا ہی ہونا ضروری ہے - اسکے خلاف بات نہ اٹھاؤ - یہ سنکر انصار مایوس ہوگئے اور تسلیم کرلیا -

ثالثاً " الناس تبع لقریش " والی روایت سے مدد لی جاے تو بالکل کھل جاتا ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قریش کی بزرگی وعظمت اور عرب میں انکی ریاست و سرداری سے تھا - نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاہتے تھے کہ خود آنحضرت نے فرمادیا ہے - جاہلیہ اور اسلام ' دونوں میں لوگ قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور رہینگے ' اسلیے یہ معاملہ بھی انہی کے قبضہ میں رہیگا - چنانچہ حضرة ابوبکر کا یہ مشہور جملہ اس مطلب کو پوری طرح کھول دیتا ہے جو سقیفہ میں کہا تھا " ان العرب لا تعرف ھذا الامر لغیر ھذا الحی " یعنی اہل عرب قریش کے سوا اور کسی قبیلہ کی سرداری سے آشنا نہیں - پس یہاں سرے سے شرائط شرعیہ کا سوال ہی نہ تھا - صرف ملکی و وقتی مصالح کی بنا پر استدلال تھا کہ کس قبیلہ و خاندان سے امام ہونا چاہیے جسکی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسلیم کرلیں ؟

رابعاً ' یہی روایت بعض دیگر طرق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے - امر و تشریع کی اسمیں گنجایش ہی نہیں - ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع میں فرمایا " ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ و استقاموا علی امرہ " (فتح ۱۳ : ۱۰۳) یعنی یہ بات قریش میں رہیگی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرینگے اور اسمیں مستقیم رہینگے - پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکڑہ چھوڑ دیا ہے - صرف " الائمۃ من قریش " لے لیا - ورنہ حضرت ابوبکر نے وہی بات فرمائی تھی جو دیگر احادیث مرویہ میں بطور خبر کے ثابت ہوچکی ہے - علی الخصوص بخاری کی روایت معاویہ میں -

اندلس اور افریقہ میں عبد المومن صاحب ابن تؤمرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھہ حکومت قائم کی اور اُسکی نسل میں عرصہ تک قائم رهی - ابن تؤمرت کی نسبت کون کہہ سکتا هے کہ معتزلی تھا ؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا اشعری تھا - عقائد اشاعرہ میں اسکا ایک رسالہ موجود هے - مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی هے کہ بلاد مغرب میں اشعریۃ اُسیکے ذریعہ پہنچی اور اسی لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذهب همیشہ اشعری رها - لیکن یہ لوگ بھی قرشی نہ تھے - علاوہ بریں خود ائمۂ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا هے - جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کی نسبت ابن خلدون نے تصریح کی هے - پس غور کرنا چاهیے کہ جس اجماع کی نسبت دعوا کیا جا رها هے' اور جو کبھی حضرۃ ابوبکر کی بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما هوتا هے ' کبھی وهاں سے روپوش هوکر ساڑھے گیارہ برس تک مفقود هو جاتا هے اور حضرۃ عمر غیر قرشی کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے هیں ' پھر انکے بعد یکایک نمایاں هونا چاهتا هے ' لیکن پھر بھی اُسکا کچھہ پتہ نہیں چلتا - حتی کہ غیر قرشیوں کو هزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے هیں ' اور ائمۂ عقائد و کلام مختلف نظر آتے هیں' فی الحقیقت اُسکا کوئی وجود هے بھی یا نہیں ؟

حقیقت یہ هے کہ نہیں هے -

ثالثاً ' یہ ظاهر هے کہ قریش میں خلافت هونے کی نسبت جو کچھہ فرمایا گیا ' وہ محض آیندہ کی پیشتر سے اطلاع تھی - یعنی پیشین گوئی تھی - اور پیشین گوئیوں کا یہ حال هے کہ جب تک اُنکا ظہور کامل طور پر نہ هو جاے ' اُنکے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل هوتا هے - اجتہاد و قیاس کیلیے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جسقدر پیشین گوئیوں میں هوتی هے - علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان هوتا هے ' اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھہ محض اشارات کیے جاتے هیں - جب تک اُنکا ظہور نہ هو جاے' اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آجاسکتی هیں -

ظہور دجال کی پیشینگوئی اس معاملہ کیلیے ایک واضح مثال هے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کردیے تھے - با این همہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف هوا ' اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو

یہ قریش ہونے پر اجماع ہوچکا ہے، تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرۃ عمر کے قول کی تاویل کرنی پڑیگی جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کی نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ اجماع حضرۃ عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جاے کہ حضرۃ عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر نا قابل التفات ہیں، اہل نظر سے مخفی نہیں - اول تو جب اختصاص قریشۃ کیلیے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعوی کیا جاتا تھا کہ حضرۃ ابوبکر کی بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہی میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگیا، اور تمام صحابہ نے اجماع کرلیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں - اور کہاں اب یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نہ ہوا، حضرۃ عمر کی زمانۂ خلافت کے دس برس گزر گئے اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے، لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع ہوگیا ؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود ہے ؟

اگر سقیفۂ بنی ساعد میں اجماع نہیں ہوا، نہ خــلافت صدیقی کے ڈھائی سال میں یہ مسئلہ چھڑا، اور نہ عہد فاروقی کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلی عہد تھا، تو پھر کیا یہ اجماع اُس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا، یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزارگرم ہوے تھے ؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہوگیا - یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا، اور انکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی ہی ہوے، اس لیے لوگوں نے سمجھہ لیا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے، اور اس پر اجماع ہوگیا ہے - ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حــکومت کا رہجانا دلیل تشریع و انعقــاد اجمــاع ہوسکتا ہے - خود خلفاء عباسیــہ کے عہد میں متعــدد غیر قرشی مدعی اُٹھے، اور بعضــوں کا ساتھہ هــزاروں مسلمانوں نے دیا - وہ نہ خوارج میں سے تھے - نہ معتزلہ میں - مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے - حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکہ قرشی نہ تھا -

ہوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بغیر کسی رکاوٹ کے قریش ہی میں رہی - اور آیندہ بھی ہمیشہ انہی میں رہیگی جبتک دو قریشی بھی دنیا میں باقی رہینگے -

حافظ نواوی کا سال وفات سنہ ۶۷۶ھ ہے - اور سال پیدائش سنہ ۶۳۱ - یا اس سے بھی پہلے - آخری خلیفۂ بغداد المستعصم کو ہلاکو نے سنہ ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو انکی وفات فتنۂ تاتار کے بعد ہوئی ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کی خلافت ہی کا زمانہ ہے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخری عمر کی تصنیف ثابت ہوجاے تو پھر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانہ ہوگا کہ فی الجملہ قریش کی خلافت قائم تھی - پس وہ اپنے زمانے تک خلافہ کو صرف قریش ہی میں قائم دیکھکر احادیث باب کے اسی مطلب پر قانع اور جمے ہوے ہیں ' اور اسی لیے " ما بقی منہم اثنان " کا بھی یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھی دنیا میں باقی رہینگے ' خلافت انہی میں رہیگی -

لیکن اگر انکو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تھے ؟ کیا اس صورت میں اپنی تمام راے پر نظر ثانی نہ کرتے ؟ وہ کیا جانتے تھے کہ عنقریب صفحۂ الٹنے والا ہے ' اور خلافہ نہ صرف قریش سے ' بلکہ عرب ہی سے رخصت ہو جانے والی ہے -

اس سے بھی زیادہ بہتر مثال حافظ سیوطی کی ہے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخری عہد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکھ رہے ہیں - یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں - چونکہ اسوقت تک مصر میں عباسی خاندان منصب خلافت پر ممتاز تھا ' اور گو عالم اسلامی بہت سی نئی عجمی حکومتوں میں بٹ چکا تھا ' تاہم اغلب خلافہ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسی کے قبضہ میں نہ تھا ' اسلیے انہوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندھا ہے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بنی العباس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کی ہیں جنمیں عباسیہ کو خلافت پانے کی بشارت دی ہے ' اور کہا ہے کہ تمہاری خلافت حضرۃ عیسیٰ کے نزول تک رہیگی - چنانچہ ابو نعیم کی روایت میں ہے - جب حضرۃ عبد اللہ بن عباس پیدا ہوے تو آنحضرۃ نے فرمایا "ہو ابو الخلفاء' حتی یکون منہم السفاح' حتی یکون منہم المہدی ' حتی یکون منہم من یصلی بعیسیٰ بن مریم "

بعض اوصاف کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھاتے رہے - آنحضرۃ کے زمانے ھي میں ابن صیاد کی نسبت حضرۃ عمر کو خیال ھوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاھا جیسا کہ امام بخاری کي روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ھے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنۃ سے معلوم ھوتا ھے کہ حضرۃ عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہي دجال ھے - اور اسی لئے ابن جابر کو بھي اسپر پورا یقین تھا " رأیت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسی طرح ابو داؤد کی روایت نافع میں حضرۃ عبد اللہ بن عمر کی نسبت مروي ھے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " واللہ ما أشک ان المسیح الدجال ھو ابن صیاد " لیکن دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا - ابو سعید خدري سے جب ابن صیاد کی صحبت ھوئی تو اُنکا شک دور ھوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلئے آمادہ ھوگئے (کما فی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ھے جسکی بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ھونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ پیشین گوئی تھي ' اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوري پوري طرح ظاھر نہ ھو جائیں ' اُنکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رھا کہ گو ابتدا سے بہت مدعي اُٹھے ' مگر فی الجملہ نویں صدي ھجری تک قریش ھي میں رھی ' اور اسی بات کی احادیث میں خبر بھی دی گئی تھی - جن علماء کی رائے پیش کی جاتی ھے ' وہ سب وھي ھیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اُس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ھوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ھي میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ھو جاتا کہ خلافت اسی خاندان سے شرعا بھی مخصوص ھے ' اور یہی مطلب تمام احادیث کا ھے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دي گئی تھی - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ھی میں دیکھہ رہے تھے ' اور اسکے لیے مجبور و معذور تھے -

حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ھیں " و قد ظھر ما قالہ صلعم - فمن زمنہ الی الان الخلافہ في قریش من غیر مزاحمۃ لھم فیھا ' و تبقی کذالک ما بقي منھم اثنان " (جلد ۲ ، ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ' ویسا ھي

علماء نے جب دیکھا کہ " ما اقاموا الدین " کی شرط کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے ' تو انکی راے بدل گئی ' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں تامل کرنے لگے - علامۂ ابن خلدون (المتوفی سنہ ۷۳۲) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیۃ پر بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش ' و تلاشت عصبیتہم بما نالہم من الترف و النعم و بما انفقتہم الدولۃ فی سائر اقطار الارض ' عجزوا عن حمل الخلافۃ ' و تغلبت علیہم الاعاجم و صار الحل و العقد لہم ' فاشتبہ ذلک علی کثیر من المحققین ' حتی ذہبوا الی نفی اشتراط القرشیۃ و عولوا علی ظواہر فی ذلک مثل قولہ صلعم ' اسمعوا و اطیعوا و ان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب اللہ " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر انکی عصبیت مٹا دی - خلافت کا بوجھہ اٹھانے سے عاجز ہوگئے ' تو عجمیوں نے انپر غلبہ حاصل کرلیا ' اور خلافت کا فیصلہ انہی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیۃ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیۃ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " و من القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ ' القاضی ابوبکر الباقلانی "

عباسیۂ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا ' اسلیے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر ' قاضی عینی ' جلال الدین سیوطی و غیرہم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا ' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " یبعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوے ' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں ' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی وبل الغمام میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان فی بعض ھذہ الالفاظ ما یدل علی الحصر ' و لکن قد خصص مفہوم الحصر احادیث وجوب الطاعۃ لغیر القرشی " الی ان قال " و الاخبار منہ صلعم بان الائمۃ

یعنی آپنے فرمایا عبد اللہ بن عباس خلفاء کا باپ ہے یہانتک کہ انہی خلفاء میں سے سفاح ہوگا ' اور انہی میں سے مہدی ہوگا ' اور انہی میں وہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ کے ساتھہ نماز پڑھیگا -

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹی ہیں - ابو مسلم خراسانی وغیرہ عباسی داعیوں کی بنائی ہوئی ہیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظر نے اِنکے خرافات و وضعی ہونے پر اتفاق کیا ہے - لیکن چونکہ اُسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقی تھا ' اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئی کی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی - نیز عباسی خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کی مقبولیت کا باعث ہو رہا تھا ' اسلیے حافظ سیوطی انکےلیے ایک خاص باب قائم کرتے ہیں ' اور اگر کسی روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھی موقعہ ملجاتا ہے تو نہیں چوکتے - چنانچہ ابو نعیم اور دیلمی کی روایات سے کچھہ تعرض نہیں کیا ہے ' حالانکہ حافظ مزی ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر ' وغیرہم نے سخت انکار کیا ہے ' اور ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لاے ہیں - اس سے بھی بڑھکر یہ کہ دیباچہ میں بنوعباس کی خلافت پر بحث کرتے ہوے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں " ان الحدیث ورد بان ھذ الامر اذا وصل الی بنی العباس لا یخرج عنھم حتی یسلمون الی عیسی بن مریم او المھدی " (تاریخ الخلفا ۸۰) یعنی یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب خلافت آل عباس تک پہنچیگی تو پھر اُنہی کے قبضہ میں رہیگی - یہانتک کہ وہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدی کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور دیکھہ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا ' تو پھر اُنکو پورا پورا یقین ہوجاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و بادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی ہے ' اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں جیسا کہ ائمۂ اثر فیصلہ کرچکے ہیں -

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح ہوجاتی ہے کہ خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھہ ہی علماء کی آراء میں بھی تدریجی تغیر شروع ہوگیا تھا ' اور اشتراط قرشیۃ میں وہ زور باقی نہ رہا تھا ' جو قاضی عیاض وغیرہ کی مصنفات میں پایا جاتا ہے - اکثر

افضلیت اسفار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے اجماع تک کہدیا - لیکن شوافع و محدثین کہتے ہیں کہ قرأۃ فاتحہ ہي جمہور کا مذہب ہے اور اسي پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے - اِنہی حافظ نواوي کی (جو اشتراط قرشیۃ کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھہ لي جاے - کس طرح شافعیہ کا ہر مذہب اُنکے نزدیک " جمہور " کا مذہب ہے ' اور مخالف کا ہر قول شاذ - شافعیہ اور حنفیہ کی خلافیات میں تقریباً دو تہائی مسائل تو ضرور ایسے ہونگے جنکی نسبت ہر جگہ شرح مسلم میں پاؤگے : " ھذا مذھب الشافعی و الجماھیر ' و خالف فیه ابو حنیفه " یعنی امام شافعي اور جمہور کا مذہب یہي ہے مگر امام ابو حنیفہ نے اس سے خلاف کیا - اگر ہمارے علماء احناف حافظ نواوي کی ان تمام جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کر لینے کیلیے طیار ہیں ' تو خیر ' اشتراط قرشیۃ کا ایک اجماع اور سہی - لیکن یاد رہے کہ یہ رہي بات ہوگي :

گو مسنت خاک ما هم برباد رفته باشد !

ثانیا ' ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت کے سیاسي اثرات کا نتیجہ تھی - یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا - جو خاندان قابض ہوا ' اُسکو رقیبوں اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا - پس جبکہ خلافت اہل عرب کے ہاتھہ میں تھی ' تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں کی اس بارے میں جرأت افزائی کي جاے ؟ اور عرب میں سے بھی جب خاص خاندان قریش میں بھي جو ہر طرح سیادۃ و بزرگي رکھتا تھا ' تو وہ کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشي خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادي طاقت کے ساتھہ شریعت کی حمایت کا سہارا بھي اُنہیں حاصل ہوجاے ؟ بخاري کی روایت میں پڑھچکے ہو کہ امیر معاویہ نے قحطاني پادشاہ کے ظہور کی روایت سنی تو کس درجہ مضطرب اور غضب ناک ہوے ؟ اور کسطرح فوراً قریش والي روایت کا اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سد باب ہوجاے ؟ جن علماء کے اقوال پر متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے ' وہ سب کے سب وہي ہیں جنکا ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قرشي خلافت قائم تھی - مثلاً قاضی عیاض و امام نواوی و غیرہم - پس وقت کي حکومت کا جو پولیٹکل اثر سب پر پڑ رہا تھا ' وہ بھي یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کي قوم اور

من قریش ' هو کالاخبار منه بان الاذان فی الحبشه و القضاء فی الازد ' و ما هو الجواب عن هذا ' فهو الجواب عن ذلک - و تخصیص کون الائمة من قریش ببعض بطونهم ' لا یتم الا بدلیل ' و الاخذ بما وقع علیه الاجماع لا شک انه احوط ' و اما انه یتحتم المصیر الیه ' فلیس بواضح ' و لو صح ذلک ' لزم بطلان اکثر ما دونوه من المسائل و المقام و المراکز ' و ما احقه بان لا یدون کذلک " یعنی اگرچه امامه قریش کی روایات میں ایسے الفاظ ہیں جیسے قریش کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے ' لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنہ میں موجود ہیں - وہ دلالت کرتے ہیں کہ غیر قرشی کی بھی اطاعت امت پر قرشی ہی کی طرح واجب ہے - باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت نے قریش میں امامت کی خبر دی ' تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکے سوا کوئی دوسرا امام ہو ہی نہیں سکتا - یہ ویسی ہی خبر ہے جیسی اس بارے میں خبر دی کہ اذان کا کام اہل حبش میں ہے اور قضاء اردون میں - جس طرح ان روایتوں سے یہ بات نہیں نکلتی کہ مؤذن اور قاضی صرف حبشی اور اردنی ہی ہونے چاہئیں ' اسی طرح یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ امام صرف قرشی ہی ہوسکتا ہے - جو جواب انکا دیا جائیگا ' وہی اسکا ہوگا -

یہ واضح رہے کہ جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ہے ' وہ سب کے سب اسی عہد کے ہیں جبکہ خلافت عباسی قائم تھی - بعد والوں نے جو کچھ لیا ہے ' انہی سے لیا ہے - سب سے زیادہ اعتماد اس بارے میں قاضی عیاض کے بیان پر کیا جاتا ہے جنکا قول نواوی نے شرح مسلم اور منہاج میں نقل کیا ہے - انکا سال وفات سنہ ۵۴۴ ہجری ہے -

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کرلی ہے ' اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولی معنی سے ہٹ کر مختلف مصطلحہ معنوں میں ہونے لگا ہے ' اسکو فراموش نہیں کرنا چاہئے - علی الخصوص فقہاء مذاہب کے استعمالات متکلمین اور ارباب اصول کے مصطلحہ اجماع سے بالکل مختلف ہیں - ہر مذہب کے فقہا بلا تامل اپنے مسلک کو " جمہور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں - اسمیں کسی کا مطلب کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ - صاحب ہدایہ وغیرہ کے نزدیک عدم وجوب قرأة فاتحہ خلف امام اور

خــلافــہ آل عثمـــان

(حد لمحـــات تاریخیـــہ)

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑی دیر کیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافة بعدي ثلاثون سنة " (میرے بعد خلافۃ خاصہ ۳۰ برس تک رہیگی) کی خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنہ ۱۱ - ہجری سے شروع ہوا اور ٹھیک سنہ ۴۱ - تک باقی رہا - اسی سنہ سے بنو امیہ کی خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اور سنہ ۴۱ - ھ سے سنہ ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق الٹا ' اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع ہوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہی ہے جو سنہ ۱۳۲ - سے ۶۵۲ - ھ تک قائم رہا - چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک ہی گھرانے میں رہی ' اسلیے وہ تمام ذہنی و جسمانی اور اجتمـــاعی و مدنی فسادات کمال درجہ تک پیدا ہوگئے ' جو ہمیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے ہیں - قریش کی نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت انہی میں رہیگی - سو اب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی تھی - قیـــام دین کا کام دوسری قومیں اور طاقتیں انجـــام دے رہی تھیں - پس وہی ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے - سنہ ۶۵۶ - میں ہلاکو خان تاتاری نے بغداد پر حملـــہ کیا اور آخری خلیفۂ عباسی المستعصم

خاندان سے مخصوص سمجھا جاے اور تمام ایسی باتوں میں جس میں اجتہاد راے کو دخل ہو' فکر و قیاس کا میلان قدرتی طور پر اُسی جانب ہو جاے - علی الخصوص جبکہ اسکے لیے کسی غلط بیانی یا تحریف احکام کی ضرورت نہ تھی - واقعی احادیث موجود نہیں - صرف مفہوم کی تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں' وقت کے پولیٹکل اثرات بے شمار چیزوں میں اندر ہی اندر کام کرچکے ہیں' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ہوگیا ہے - ساتویں صدی ہجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہوگیا ' تو آہستہ آہستہ اس اثر سے افکار خالی ہوے لگے ' اور بتدریج بحث و نظر کی صورت دوسری ہوگئی - حافظ عسقلانی اور قاضی عینی جو آٹھویں صدی میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھہ رہے ہیں' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضی عیاض اور نووی سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضی عینی بخاری کی حدیث معاویہ " ما اقاموا الدین " کی شرح میں لکھتے ہیں " ای مدة اقامتہم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفہومہ فاذا لم یقیموہ لا یسمع لہم " یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ وقت آجاے کہ فریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکی بات نہیں سنی جائیگی - حافظ عسقلانی گو اشتراط قرشیۃ سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوی کردیا ہے اور یہ تک نظر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی مضبوط راے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف - اشتراط قرشیۃ کے مویدین کے جس قدر دلائل ہیں ' اُن میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر اُنھوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ہوں اور وہ مجروح ہوکر نہ رہگئی ہو - جو صاحب مزید تصدیق حاصل کرنی چاہیں' فتح الباری جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعۃ للامام " ملاحظہ فرمائیں -

غرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالی جاتی ہے ' اشتراط قرشیہ کیلیے کوئی نص موجود نہیں ' اگرچہ بصورت اشتراط بھی موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ہے - امام قائم و نافذ کی امامت و اطاعت کا ہے -

عباسی خاندان کے دو چار آدمی بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنہی میں مستعصم کا چچا احمد بن طاہر عباسی بھی تھا - وہ سنہ ۶۶۰ میں مصر پہنچا - وہاں ایوبی خاندان کے ممالک کی حکومت قائم تھی اور ملک طاہر بیبرس حکمراں تھا - اُسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم ہوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کر لیا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلی -

احمد بن طاہر نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کی معیت و اعانت حاصل کرکے کوشش کی کہ دار الخلافہ بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے - لیکن کامیابی نہوئی اور لڑائی میں شہید ہوا -

اب پھر وہ وقت آگیا تھا کہ قریش سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم ہو جائے ' لیکن " ما بقی منہم اثنان " کی پیشین گوئی آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والی تھی - قتل عام بغداد سے ایک اور عباسی شہزادہ ابو العباس احمد بن علی بچکر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفی تھا - اُس کا حال بیبرس کو معلوم ہوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی - حاکم بامر اللہ کے لقب سے وہ مشہور ہوا - اسی کی نسل میں مصر کی عباسی خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رہی - یعنی سنہ ۶۶۰ ھ سے سنہ ۹۲۳ ھجری تک -

اس عرصہ میں عالم اسلامی دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات و حوادث سے تہہ و بالا ہوکر بالاخر ایک نئے دور میں منتقل ہوچکا تھا - عثمانی ترکوں کی حکومت قسطنطنیہ میں قائم ہو کر یورپ و ایشیا کے اندر ہر طرف پھیل رہی تھی - سنہ ۹۲۳ - ھ (۱۵۱۷ - مسیحی) میں سلطان سلیم خاں اول نے مصر و شام پر قبضہ کیا ' اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے اُسکے ہاتھ پر بیعت کرکے تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کردیے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسلہ میں سلطان سلیم کو دی گئیں ' اُن میں سب سے بڑی چند مقامات مقدسہ و حرمین کی کنجیاں تھیں ' اور بعض آثار نبویہ - مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی تلوار - جھنڈا - ایک چادر - یہ آثار اسوقت تک قسطنطنیہ میں بطور سند خلافت کے موجود ہیں - اسی تاریخ سے عثمانی سلاطین نمایاں طور پر " خلیفہ " کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا - حج کی امارت بھی اُنھی کے قبضہ میں آگئی جو شرعاً خلافت کے اہم ترین فرائض میں سے ہے -

باللہ کے خون نے بہکر ہمیشہ کیلیے عربی و قرشی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربی خلافت کا قتل تھا : (۱)

و ما کان قیس هلکه هلك واحد
و لکنه بنیان قوم تهدما !

یہ سب کچھہ ہوچکا ' مگر ابھی پیشین گوئی کی ایک آخری سطر باقی تھی - یعنی " ما بقی منهم اثنان " قریش سے حکومت نکل جائیگی - پر نکل جانے پر بھی انکی عظمت رفتہ کا وہ اثر باقی رهیگا کہ اگر وہ قرشی بھی کسی گوشہ میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا انھی کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشی خلافت مٹی ' لیکن مٹتے مٹتے بھی ایک آخری نقش چھوڑ گئی - وہ بغداد کی خون آلود خاک سے اکھڑا اور تین سو برس تک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البتہ وہ جماؤ قرشی حکومت کا جماؤ نہ تھا - محض اس کے نقش قدم کا تھا :

گو کہ ہم صفحۂ هستی پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے !

---

(۱) فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کیلیے وهی معاملہ تھا جو بنی اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظہور میں تھا - ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید - فجاسوا خلال الدیار - و کان وعداً مفعولا (۱۷ : ۶) بحکم " یأتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل " (صحیحین) اس امت پر بھی وہ سب کچھہ گذرنے والا ہے جو بنی اسرائیل پر گزر چکا - بنی اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دو ھی مرتبہ عام بربادی بھی چھائی اور انکی تعذیب کیلیے دو جابر و قاهر قومیں مسلط ہوئیں : و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علواً کبیرا (۱۷ : ۵) پہلی بربادی بخت نصر کے هاتھوں ہوئی : عباداً لنا اولی باس شدید - اور دوسری تیتس قیصر روم کے هاتھوں - معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح اس امت پر بھی طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے ' اور انکے نتائج دو مغضوب قوموں کی شکل میں ظاهر ہوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بنی اسرائیل کی پہلی بربادی خود ایشیاء هی کی ایک قوم کے هاتھوں ہوئی - یعنی اهل بابل کے هاتھوں - اور دوسری کا ظہور یورپ سے ہوا - یعنی روم سے - ٹھیک اسی طرح اس امت کیلیے بھی پہلا فتنہ ایشیاء کا تھا ' دوسرا یورپ کا - پہلا ہوچکا - دوسرا ہو رہا ہے -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کی حفاظت کی تلوار صرف اُنھی کے ھاتھوں میں ھے - صدیوں سے صرف اُنھي کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ھے ' صرف اُنھی کی لاشیں اسلام کیلیے خاک و خون میں تڑپتی ھیں ' اور صرف اُنھی کی ذمہ داري پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کي مرکزی حفاظت کا کارو بار چھوڑ رکھا ھے - دنیا کے خواہ کسي گوشے میں کوئی مسلمان ھو ' اگر وہ بہ حیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ھے ' تو عرفات کے میدان میں کھڑے ھوکر اسکو عثمانی امامت کی دینی ریاست قبول کرنی پڑتی ھے اور حج کا فریضہ عثمانی خلیفہ ھی کے بھیجے ھوے نائب کے ماتحت انجام دیتا ھے - شریف حسین نے غیر مسلم مجاریں کا ساتھ دیکر اگر بغاوت کی اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ' تو یہ فساد و عدوان کی ایک عارضي حالت ھے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھی خلیفۂ قسطنطنیہ کي حکومت ھی کا ایک جزء ھے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ھے کہ حرمین کو داعیوں کے تصرف سے نکالنے کي کوشش کریں ' اور اسوقت تک کرتے رھیں جب تک بغاوت اور داعیوں کا بالکل استیصال نہو جاے - اگر ایسا نہ کرینگے تو ھر مسلمان اسکے لیے عند اللہ جوابدہ ھوگا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرتے اور فارغ البالي کے بستر پر سونے کیلیے ھیں ' لیکن صرف وھی ایک ھیں جو سارے مسلمانوں کی عزت و زندگی کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگي کے دن کات رھے ھیں ' اور چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں ھیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ انکے خون سے رنگین ھورھا ھے - ایک چوتھائی صدي بھی آجتک ایسی نہیں گزري کہ دشمنوں کي تلواروں نے انھیں مہلت دي ھو - اُنکا جرم اسکے سوا کچھہ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نہ رھا - ساري تلواریں توٹ گئیں - سارے بازو شل ھوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقي ھیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کی پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ ھو جاے ؟

بـدوستـی تـو خصمـند عالمـے بامـن
ھزار دشمن و یک دوست مشکل افتادہ است !

سلسلۂ خلافت کي یہ ایک مجمل تاریخ ہے - بالفرض خلیفۂ متوکل عباسي نے سلطان سلیم کے ہاتھہ پر بیعت نہ کي ہوتي ' جب بھي آیندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتي نتیجہ یہی تھا کہ تمام عالم اسلامي کي خلافت کا منصب عثماني سلاطین ہي کے قبضہ میں آجاے - وقت کي جو اسلامي سلطنت سب سے بڑي اور سب سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی ہو ' وہی شرعاً خلافت کا منصب رکھہ سکتی ہے - گذشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامي حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رہا ہے ' اُنکو دیکھتے ہوے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حق بجز اس سلطنت کے اور کسی سلطنت کو ملسکتا تھا ؟ خود ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت قائم تھی - وہ ہندوستان کے اندر اپنے ہی کو امام سمجھتے تھے ' لیکن عالم اسلامی کی خلافت عظمی کا دعوی کبھی اُنکے وہم و خیال میں بھي نہیں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنیا ماننے کیلیے طیار نہ تھی - ابتدا سے لیکر آخر تک مقام خلافت کی جو اہم و مشترک خصوصیات رہي ہیں اور جنکو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسلیم کرلیا ہے ' وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثمانی سلاطین ہی کو حاصل ہوئیں - کوئی دوسري اسلامی حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھہ قائم نہ ہوسکی -

فصل

(خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ)

اس عارضی وقفہ کے بعد اب ہم پھر آگے بڑھتے ہیں - سلطان سلیم خان اول کے عہد سے لیکر آجتک بلا نزاع سلاطین عثمانیۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام ہیں - ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعی خلافت بھي اُنکے مقابلہ میں نہیں اُٹھا - بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کشمکش نظر آتي ہے ' لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوري تاریخ میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈھکر نہیں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعویدار سیکڑوں اُٹھے ہوں ' مگر اسلام کي مرکزي خلافت کا دعوی کوئي نہ کرسکا -

ہم یہاں قصداً ترکوں کی سیاسی و تمدنی کارگزاریوں کی بحث نہیں چھیڑینگے - ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں ہی کی جماعت وہ بد قسمت جماعت ہے، جسکے لیے کوئی یوروپین دماغ منصف نہیں ہوسکتا - یورپ کا پچھلا مورخ ہو، خواہ موجودہ عہد کا مدبر، وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح و توصیف کرسکتا ہے جو اب موجود نہیں ہیں، لیکن اُن ترکوں کی نہیں کرسکتا، جنکی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست ہونے کیلیے چمکتی رہی ہیں - وہ خلافت بنو امیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا ہے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کی مدحت سرائی کرسکتا ہے - صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح پوج ا ے سکتا ہے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا ہے جو نہ تو عرب پر قانع ہوے، نہ ایران و عراق پر - نہ شام و فلسطین کی حکومت اُنکو خوش کرسکی، نہ وسط ایشیا کی، بلکہ تمام مشرق سے بے پروا ہوکر یورپ کی طرف بڑھے، اسکے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا، اور اُسکی اندرونی آبادیوں تک میں سمندر کی موجوں کی طرح در آے - حتی کہ دار الحکومت اسٹریا کی دیواریں اُنکے جولاں قدم کی ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمراں خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں انکا شریک نہیں ہے - اسلیے ہر حکمراں مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہوسکا، مگر ہر ترک وحشی و خونخوار ہے - اسلیے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُسکی شمشیر بے پرواہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادی و فیاضی کے ساتھہ حکومت کی ہے، اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوسکتا ہے کہ چار صدیوں کی متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذہبی و قومی عصبیت ویسی ہی زندہ و توانا رہی، جیسی کسی متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رہسکتی تھی - حتی کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ ہی آزاد و خود مختار ہوگئے، اور آج ایک حریف و مقابل کی طرح لڑ رہے ہیں -

ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں ہوے - اتنے ہی عرصہ کی حکومت نے قومی عظمت

پس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدۂ و عمل کے مطابق رہی آج تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور " اولو الامر " ہیں - اُنکی اطاعت و حمایت اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت و حمایت ہے - اُنسے پھرنا اور انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' اللہ اور اُسکے رسول سے پھرنا ہے اور اللہ اور اسکے رسول کو اپنی جان و مال کی طرف سے صاف جواب دیدینا ہے - جو اُنکی اطاعت سے باہر ہوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باہر ہوا ہو ' اور اسی حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامی زندگی کی موت نہوگی - جاہلیۃ کی موت ہوگی - اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - جس نے اُنکے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں میں سے سمجھتی ہو - اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت ' اُسکی شریعت کی آن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک ہزار تین سو برس سے مانا ہوا اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کی سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع ' اور سورج کی کرنوں کی طرح یقینی اور قطعی حقیقت ' یہی بتلا رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل پر نقش ہے - ایک مسلمان کہلانے (بشرطیکہ وہ ساری باتوں سے مقدم اپنے اسلامی تعلق کو سمجھتا ہو ' اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھہ لے جانا چاہتا ہو) اس میں کسی طرح کے شک و شبہہ کی گنجایش نہیں - جاہل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے لیکر نظام دکن تک ' کوئی نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو - زندگی کا عشق اور نفس کی پرستش جس انسان سے چوری کرالیتی ہے ' ڈاکے ڈلواتی ہے ' قتل کراتی ہے ' اُس انسان سے کیا بعید ہے کہ آج کسی طمع یا خوف سے عثمانی خلافت کا انکار کردے ' یا عثمانی خلیفہ کی اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر ہاتھہ دھرنے لگے ؟ دنیا کی پوری تاریخ انسانی کمزوریوں کی درد انگیز مثالوں سے لبریز ہے - پس یہ کوئی عجیب واقعہ نہ ہوگا اگر آج چند نئی مثالوں کا مزید اضافہ ہوجاے - لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہے - اُس سے انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا ہے ' لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلی جاسکتی ہیں لیکن اُس کی زبان بند نہیں کی جا سکتی !

بہر حال ہماری صحبت سے یہ موضوع باہر ہے - ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھہ بھی رہی ہو - ہر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسری جیسے اشرار بدو آمدہ سے بھی بد تر کبھی نہ رہا ہو (۱) لیکن مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور انکا از روے شرع بھی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں

---

(۱) آج ترکوں کی وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھہ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے اُن مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جنگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں - بس امید نہیں کہ ڈریپر (Draper) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سنی جاے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Couflict Between Religuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف و عدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو تنزل یافتہ بیزنطائن پر حاصل تھی - اڈورڈ کریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائکلو پیڈیا کے قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ہی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا ڈالامبرٹ (Dalambert) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کلبی بے کی قاموس العلوم ہی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھی - کمسریٹ ' رسد رسانی ' اور فوجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ہی سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' کریسی ' کنگھم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالی تھی - قدرتی طور پر مسٹر ایسکوئیتھہ اور مسٹر لائڈ جارج کی راے اس سے مختلف ہونی چاہیے جو ابھی ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ہیں ' اور کتب خانوں کی جگہہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں !

و عصبیۃ کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے بھی کھینچ لیے ہیں جنکے آباؤ اجداد ساٹھہ ستر برس پہلے اسی سر زمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ہے !

ترکوں کے وہم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ہیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ہلاکیاں نہیں آسکتیں ' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور بت عین انیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیا و افریقہ کے اندر کر چکا ہے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو انکی غاروں سے باہر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیا و افریقہ میں یورپ کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکڑہ بھی ایسا نہ بچ سکا جسکو وہانکی بدبخت مخلوق اپنی زمین کہہ سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کر سکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ہر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ہر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجہ مارا ' نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

تاہم ترک خونخوار اور وحشی ہیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے ! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ہیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ہی کیلیے آسمان سے اتارے گئے ہیں !

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلہ ہے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ہوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھہ سے دبی ہوئی ہے - فضاء ہوائی جہازوں کی قطاروں سے بھری ہوئی - اسکا فیصلہ کل ہوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا ' اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ وہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا جیلنج تھا جو سچائی کو دبا جاسکتا ہے - تاہم سچائی ہی سب سے بڑی طاقت ہے - اور بالاخر فیصلہ اسی کا فیصلہ ہے - سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ' و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳ : ۲۲)

" در مدت شش سال دوکرت از امیر المومنین منشور اولو الامری و خلعت شاهی و لواء سلطنت بدو رسید ' و حق جل و علی پادشاه دین پرور ما را در عزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین دالغاً ما بلغ بجا آورد ' و هم چندن دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاه مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتے با تحفه و هدایاء در نهایت تواضع بندگی امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸)

یعنی سلطان فیروز شاه کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑي بات یه سمجھی گئی که خلیفۂ مصر نے اجازت حکومت کا پروانه اور لواءِ خلعت بھیجا ' اور پادشاہ کو اسکی اطاعت و حرمت کی توفیق ملي - فیروز شاہ نے اس بات کی اس درجه قدر کی - گویا آسمان سے یه عزت نازل هوئي هے ' اور خود بارگاه حضرت محمد الرسول الله صلعم سے اسکو قبولیت کی سند ملگئی هے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاهی میں یه واقعه زیاده تفصیل سے لکھا هے - جب خلیفه کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کیلیے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں هاتھوں میں لےلیا - پھر بوسه دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے ھوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غور کرو ! مقام خلافت کی عظمت و جبروت کا اثر کس درجه عالمگیر رها هے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف براے نام نسبت اسدرجه هیبت و جبروت رکھتی تھی که هندوستان جیسے بعید گوشه میں ایک عظیم الشان فرمان رواے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل هوجانے پر فخر کرتا هے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی هوئی هے که وهاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وهاں کا حکم بارگاه نبوت کا حکم سمجھا جاتا هے !

مغلیه سلطنت خلفاء مصر کے آخري عهد میں قائم هوئی - هندوستان میں بابر شاه کي قسمت آزمائیوں کا زمانه تھا جب سلطان سلیم خاں کے هاتھه پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیه کی خلافت کا اعلان هوا - شاهان مغلیه اگرچه هندوستان میں خود اپنے هی کو

نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را ؟
دل از من ، دیدہ از من ، آستین از من ، کنار از من !

فصل

(مسلمانان ہند اور خلافت سلاطین عثمانیہ)

جب تک بغداد کی خلافت باقی رہی ، ہندوستان کے تمام حکمران خاندان اُسی کے زیر اثر اور فرمانبردار رہے - عباسیۂ بغداد کی خلافت جب مٹ گئی ، اور سنہ ۶۶۰ ھ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا ، تو اگرچہ یہ عباسیہ کے کاروان رفتہ کا محض ایک نمود غبار تھا ، تاہم تمام سلاطین ہند اسکی حلقہ بگوشی و غلامی کو اپنے لیے موجب فخر و امتیاز سمجھتے رہے ، اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوانے کیلیے مقام خلافت سے پروانۂ نیابت حاصل کرتے رہیں - سلطان محمد بن تغلق شاہ کے غرور حکومت کا یہ حال تھا کہ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اسکو " ہمت فرعونی و نمرودی " سے تعبیر کرنا چاہتا ہے - تاہم اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ غرور جرءہ کرسکا ، بھی تھا کہ اپنے تئیں خلیفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چا کر ظاہر کرے ، اور رعایا کو یقین دلاے کہ بلا اسکے حکم کے میں تم پر حکومت نہیں کرتا - تاریخ برنی میں ہے :

" امیر المومنین خلیفہ را بندہ ترین ہمہ بندگان بود ، و بے امر و بے فرمان از دست در امور اولو الامری نہ زد " (مطبوعہ ایشیاٹک سوسیٹی - صفحہ - ۴۶۰)

برنی نے سلطان فیروز شاہ کے فضائل و سوانح کیلیے گیارہ مقدمے ترتیب دیے ہیں - اُن میں نوواں مقدمہ یہ ہے :

" مقدمہ نہم در آنکہ برکت از حضرت امیر المؤمنین خلعت اولو الامری و منشور اذن و لواء شاہی بر سلطان عصر فیروز شاہ رسیدہ ، و بادشاہی و اولو الامری خداوند عالم بدان استحکام گرفتہ "

پھر اسی مقدمہ میں لکھتا ہے :

صدیوں پہلے سے تفرقۂ و انتشار کی عالمگیر مصیبت تمام عالم اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرچکی تھی - لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے ' وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں' لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمی پر قابض و متصرف تسلیم کرتے تھے ' اور اسی لیے جمعۂ و عیدین کے خطبوں میں انکے لیے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - خود ہندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہیں - سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۱۷۶۱ع) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی انکے معاصر ہیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں انکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ہے - اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں - جمعہ کی نماز تین مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ہند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ہیں - (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہکر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے ' تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ہندوستان بالکل اسسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ہے ' کیا معنی رکھتا ہے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے ' اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں ' مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہوسکتا ہے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماٹرا '

امام سمجھتے تھے ' اور باعتدار حکومت کے وہ حق اُنہیں حاصل بھی تھا - تا ہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعوا نہ کیا - ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفـــاء ہی کو خلیفـــہ تسلیم کرتے رہے - شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کیلیے جاتے ' تو اُنکو قسطنطنیـــہ کے خلیفـــہ ہی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ہوکر اُسی طرح سنتے' جس طرح ایک عام مسلمان اُنکے بغل میں کھڑا سن رہا ہوتا - شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کیلیے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہوسکتی ہے ؟

بعض یوروپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حـــکومت سے باہر ترکی خـــلافت کا اعتقـــاد زیادہ تر سلطان عبد الحمیـــد خاں مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا ' اور اُنکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عـــالم میں پھیلایا جاے - یہاں ہم یورپ کے متخیلـــۂ و مزعومـــہ " پان اسلامزم " کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باہمی برادری ہے ' تو اسکی تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قران و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے - لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبد الحمیـــد سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجـــہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا - اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو مصنفین یورپ کیلیے پسند کریں ؟

سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی ' ہندوستان میں مغلیہ کی ' اندرون یمن میں ائمۂ زیدیہ کی ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی - پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود تھیں ' وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلیے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی انتہائی حالت میں سب پر چھاے ہوے تھے -

کرتے ہیں ' مگر ساتھہ ہی سلطان عثمانیہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں
جس سے اُنکی اسلامی خلافت و امامت کا مسلمہ ہونا ثابت ہوتا ہے - مثلاً
سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہنا کہ جو شخص آج روے زمین پر تمام مسلمانوں
کا خلیفۂ و امام کہلاے ' اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھہ سلوک کریں ؟
جسکے صاف معنی یہی ہیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے
خلیفۂ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے - سلاطین عثمانیہ کی خلافت
کا زمانہ ہزار صدی کے بعد شروع ہوتا ہے - پس اگر اسکا ذکر ملسکتا ہے تو
پچھلی تین صدیوں کی مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام
طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئی ہیں' اسلیے مسئلہ کے تاریخی
شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں - تلاش کیا جاے تو ایک بڑا ذخیرہ
فراہم ہو جا سکتا ہے -

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی
کی اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتی آئی ہے ' اور جب کبھی ضرورت
ہوئی ہے' قسطنطنیہ کی طاقت سے یہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ہے -
غدر سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان ہند
کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزی حکومت کے ساتھہ بہتر
سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی ' اُسکی بنا بھی یہی تھی کہ سلطـــان
قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق
حاصل ہے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کی مشکلات کا
سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا ' اور پھر امپیریل گورنمنٹ
نے باب عالي کو اس احتجـــاج کے ساتھہ توجہ دلائی کہ بہ حیثیت خلیفۂ
اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذہبی فرض ہے - فرانس
اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں متعدد
مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں -

ملایا، جاوا، وغیرہ ہیں - سیاح مذکور کہتا ہے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ہیں اور مسجدیں معمور ہیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ہیں اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں - یہ واقعہ بھی بارہویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے -

باقی رہا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاہر ہے کہ جب تک خود ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی، کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت مغلیــــہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ہوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تا ہم اسلام کی مرکزی خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ہونا ایک ایسی مسلم و معروف بات ہے جو ہمیشہ علماء ہند کے علم و اعتقاد میں رہی ہے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ ہجری ہے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ہندوستان میں اسلامی حـــکومت ابھی قائم تھی - انھوں نے تفہیمات الٰہیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ہے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود، اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند، و خدمت حرمین الشریفین زاد ہما اللہ شرفا وکرامۃ، و امارت موسم، و ریاست حجاج، و اہتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت، و بہ ہمین جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ہر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ أئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے، اور انھوں نے اندرون ملک میں کبھی اُنکی حکومت جمنے نہ دی - باایں ہمہ گیارھویں سے تیرھویں صدی تک کے علماء یمن کی مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کی ہے جس کے معنی بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھ نہیں ہوسکتے - علامۂ صالح مقبلی صاحب العلم الشامخ المتوفی سنہ ۱۰۴۷، علامۂ فلانی صاحب ایقاظ الہمم، شیخ عبد الخالق زبیدی صاحب صفوۃ الاخبار وغیرہم اپنی کتابوں میں جا بجا ترکی گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی تھیں ' مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکمرانیوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے' لیکن وہاں کا حکمراں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص کشش و دعوۃ اپنے اندر رکھتا تھا - یہ بلاد شام و عراق اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سر چشمہ و مبدء ہے - حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا کارگاہ ہے - شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جائے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگی ' وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۃ حج کی بھی کفیل ہوگی - پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلئے ایک ابتدائی اثر حاصل ہوجائے - اسلام کے ازمنۂ متوسطۂ و اخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافت عظمیٰ کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع اُنہی کو حاصل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں ' لیکن خلافت عظمیٰ کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اُٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا -

فصل

(ترکان عثمانی اور عالم اسلامی)

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کر لیں - صرف اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

فصل

(قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مرکزي حکمرانی)

هم نے جا بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمی " کا لفظ استعمال کیا ھے - تشریح اس اجمال کی یہ ھے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ھے - " توحید " کے معنی یہ ھیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ھی میں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بد قسمتی سے لوگوں نے سمجھہ رکھا ھے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ھر شاخ اور ھر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ھی ھے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ھیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاھتا ھے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ھر چیز پر اور ھر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ھے - ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر ' ھل تری من فطور ؟ (ملک)

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ھي قرار دی تھی - یعنی تمام روے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ھی فرمانروا و خلیفہ ھو - لیکن جہاں ساري باتوں میں انحراف اور تفرقۂ و انتشار ھوا ' وھاں یہ بات بھی جاتی رھی - خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدۃ حکومت نظر آتی ھے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رھی ھو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں ھمہ ایک خاص مرکزي اقتدار ھر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ھے اور مورخ کي بصیرۃ محسوس کرلیتي ھے کہ اس تفرقۂ و انتشار کي عام سطح میں ایک مرکزي قوت اُبھري ھوئي ھے - اسلامی حکومتیں ھر

اسلام کا جب ظہور ہوا ‘ تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - اُنکے مٹ جانے کے بعد اس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھہ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی - جن کے تاتاری آئے اور بلا شبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوے لیکن بالآخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنی ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے آور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی ‘ اور اُسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے اِن چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے ‘ اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے ؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں ‘ بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مقاوم روک موجود نہ ہوتی تو ایسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا ‘ شام ‘ عرب ‘ اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی نا قابل تسخیر موجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی ‘ اور پھر تمام ایشیا ؤ

عثمانیہ کے اعمال خلافت کا کیا حال رہا ہے ؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دیے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہراے ہوے مقاصد خلافت انجام دیے ؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم " الذین ان مکنا ہم فی الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی ' وہ انکے ہاتھوں پوری ہوئی ؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو ' صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جاے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوے " اقامۃ الدین باقامۃ ارکان الاسلام ' و القیام بالجہاد ' و حفظ حدود الاسلام ' و ما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلہ " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے ' جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے ' اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچاے ' اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو ' اسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دےسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آ گئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے ؟

مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لیے خاک و خون کی دائمی زندگی پسند کی - اِن قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سر بار جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی ' تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا ؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے ' وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی ؟ تمام دنیا نے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھہ اُن پر سے قربان کردیں ' جب بھی اُنکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے پادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت ' اور اگر آج پادشاہتیں کھوکر بھی کچھہ نہ کچھہ عزت کی پونجی اپنے ساتھہ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو ' چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں ' لیکن صدیوں سے اُسکی قومی زندگی ' قومی عزت ' قومی عیش و آرام ' اور وہ سب کچھہ جو ایک قوم کیلیے ہے اور ہوسکتا ہے ' صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلیے یہ کچھہ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان ہند نے دل کانپ اُٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنی اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے ؟ اور اسکے بعد کیا رہگیا جسکی طلب اور سوال ہو ؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں ' لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُنسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو ' لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف اُنہی کے سینوں نے کھائے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے ' اگر قرآن کی سنت کا فیصلہ باطل نہیں ' تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آھنی دیوار قائم کردی ' اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - ھجوم بھی - اور دفاع بھی ؟

کیا ھندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپنی پوری تاریخ میں ایک بار بھی ھندوستان سے قدم باھر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ ھوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں ھندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحل ھند کے سامنے لوٹ رھے تھے اور وہ انکے انسداد سے عاجز تھا !

کیا ایران کے سلاطین نے ' جنکے عقبی حملوں نے ھمیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کرکے ایشیاء کی طرف متوجہ ھوجائیں - جسکی وجہ سے دکانک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح ھونے ھوتے بچگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب آئمہ نے ' جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھی معلوم نہ تھا ؟

ھر انسان جو دو اور دو کو صرف چار ھی کہنا چاھتا ھو ' اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ھے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کی یہ خدمت انجام دی ھو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد ھوتا تھا ' اُسکو سب کی طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا ھو ؟

حقیقت یہ ھے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ھے جسکی نظیر قرون اولی کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمراں قوم کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی - صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوۃ اس سے مستثنی ھے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی - تاھم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا - مسلسل تین چار صدیوں تک صرف ترکوں ھی کی اسلامی مدافعت قائم رھی ھے - ان پوری چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رھے - کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھانا - کسي پادشاہ نے ایک قدم بھي اسکے لیے نہیں اُٹھایا - صرف تن تنہا ترک ھی دنیا بھر کے

سے اپنا خون بہا رہے ہیں ؟ انہوں نے اسکے لیے کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھہ سکے ترک زخمیوں کی مرہم پٹی کیلیے بھیجدیے جو ایک ترک بیوہ کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ہوسکتے ؟ کیا ایسے لوگوں کو جو اپنی راتیں فارغ البالی کے بستروں پر اور دن آرام و بےفکری کی چھتوں کے نیچے بسر کرتے ہوں ، یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چار سو برس سے ابدی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں ؟

بہر حال منصب خلافت کا پہلا مقصد قیام دفاع و جہاد ہے - وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا - پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے ، جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلیے کفایت کرتی تھی -

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مبحث اس سوال سے تعلق رکھتا تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوے سلاطین عثمانیہ ہی کیوں خلافت عظمی کے حقدار تسلیم کیے گیے ؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں ، مسلمانان عالم کیلیے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا -
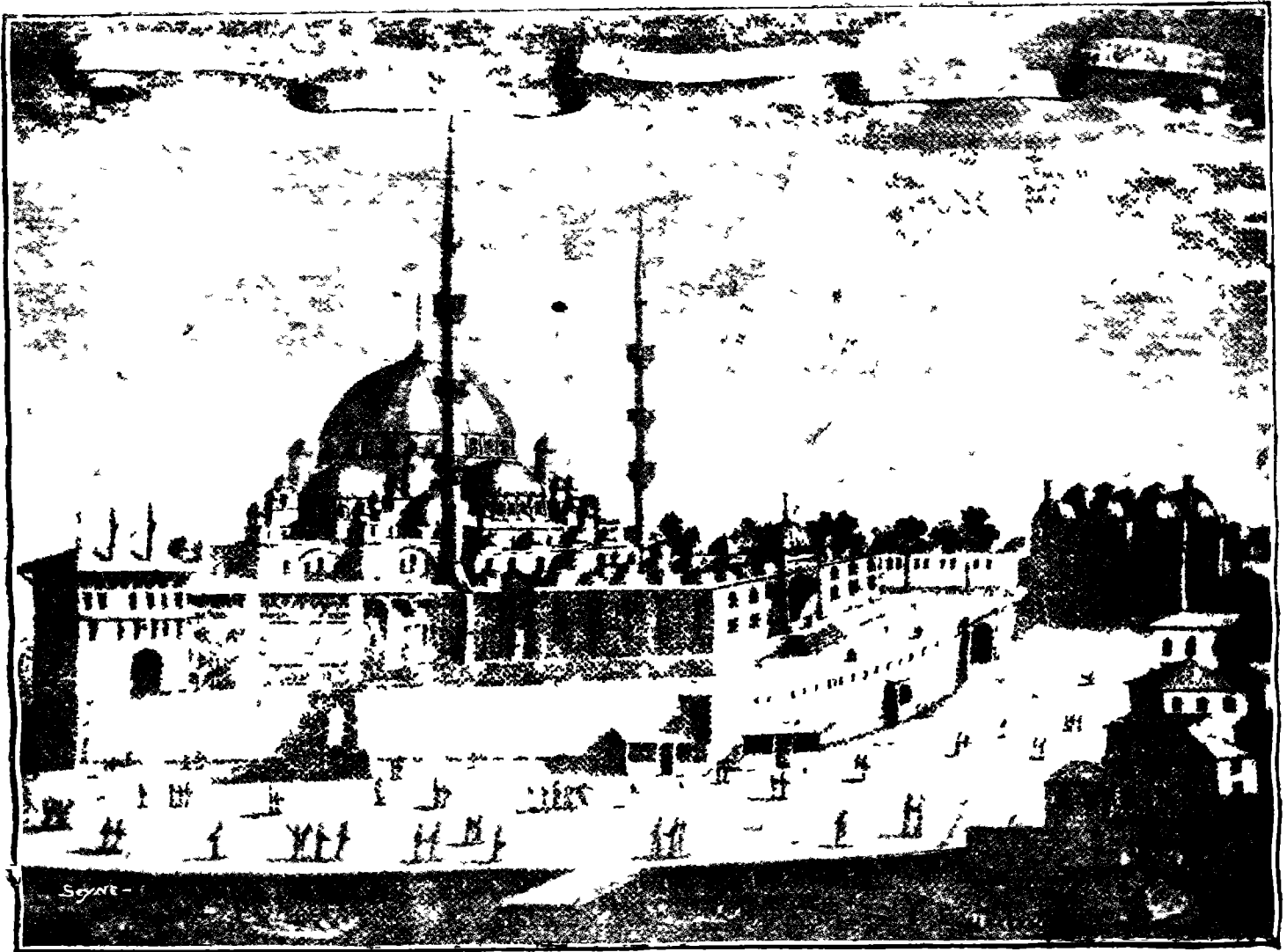
ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر !

مسلمانوں سے جنکے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا خطرہ بھی نہیں گذرتا ، ترکوں کا ایک گناہگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ہے - ہماری مدۃ العمر کی عبادتیں بھی انکے سینے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ہے کہ " حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ یقام لیلہا و یصام نہارہا " (۱) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے !

حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرۃ فضیل بن عیاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا * لعلمت انک فی العبادۃ تلعب !
من کان یخضب خدہ بدموعہ * فنحورنا بدمائنا تتخضب !
ریح العبیر لکم ، و نحن عبیرنا * رہج السنابک والغبار الاطیب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے متاثر ہوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں ، انکو چاہیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے انکی منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رہا ہے ؟ علی الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ہر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں) غور کرنا چاہیے کہ جس اولین فرض دینی کیلیے ترک چار سو برس

---

(۱) اخرجہ الامام احمد عن مصعب بن زبیر -

(۲) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ہیں - امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے ، ایک سال تجارت کرتے ، ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرۃ فضیل اس عہد کے مشہور عباد و زہاد میں سے ہیں - حاصل ان اشعار کا یہ ہے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زہد و عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ تو ایک طرح کا کھیل ہے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ہے ، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری عبادت وہ ہے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ہوا کرتی ہیں " ! حضرۃ فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو انکی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

ھے کیونکہ اُن پر ظلم ھورھا ھے ' اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ھے - یہ وہ لوگ ھیں کہ بلا کسي حق کے اپني آبادیوں سے نکال دیے گئے - انکا کوئي قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ھیں - (۱)

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ھے :

و قاتلوا فی سبیل اللہ الـذین یقاتلـــونکم ' و لا تعتـدوا - ان اللـہ لا یحب المعتـــدین - و اقتـــلوھم حیـــث ثقفتموھم ' و أخرجـوھم من حیث أخرجـوکم - والفتنة اشد من القتل - (۲ : ۱۸۷)	اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رھے ھیں - مگر زیادتی نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ھوے ملیں ' قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ھے ' تم بھي نکال باھر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونـریزي ھے ' مگر خونریزی کی برائي سے بھی بڑھکر ظلم و فساد کي برائی ھے -

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ھے کہ جنـگ کی نسبت یہی پہلی آیت ھے جو نازل ھوئی " أنہا اول آیت نزلت في القتال بالمدینہ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ و یکف عمن کف عنہ ' حتی نزلت سورة براۃ " پس اذن قتال کي پہلي آیت یا سورۂ حج کی ھے یا بقرہ کي -

ان دونوں آیتوں اور انکي ھم مطلب آیات میں قران حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ھے جسکا مقصد دفاع (ڈیفنس) ھے (۲) - یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت

---

(۱) روي الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکہ قال ابو بکر " اخرجوا نبیھم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیھلکن " فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ھي اول آیة نزلت فی القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

(۲) یعنی حکم جہاد کي مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ھے - پھر قتال کي بھی دو قسمیں ھیں - دفاع اور ھجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ھے - ھجوم کا حکم دوسري آیتوں میں ھے اور اسکے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ھیں -

باب

(فـــريضـــۂ عظيـــمۂ دفـــاع)

فصل

(حقيقت حكـــم دفاع)

اسلام کے شرعی راجبات و فرائض میں ایک نہایت اهم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ھے -

تشریح اسکي یہ ھے کہ جب کبھی کسی مسلمان حکومت یا کسی مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ھوجاتا ھے کہ دفاع (ڈیفنس - Difence) کیلیے اُتھہ کھڑے ھوں' اس حکومت اور آبادي کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں ' اگر پوري قبضہ ھوگیا ھے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپني ساري قوتیں اور ھر طرح کي ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ھیں ' اور اسلامي فرائض میں یہ اسدرجہ مشہور فرض ھے ' کہ شاید ھي دنیا میں کوئي مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہي باھمي مددگاري و یاوري اور دفاع اعداء کا قانون ھے جس پر اسلام نے شریعت و امت کی حفاظت کي ساری بنیادیں استوار کي ھیں - لڑائی لڑنے کي نسبت سب سے پہلی آیۃ جو نازل ھوئی وہ سورۂ حج میں ھے :

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ' ان اللہ لا یحب کل خوان کفور ' أذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ' و ان اللہ علی نصرھم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - (۲۲ : ۴۲)

اللہ تعالی مومنوں پر سے اُنکے دشمنوں کو ھٹاتا رھتا ھے - وہ اُن لوگوں کا ساتھی نہیں جو اُسکی بخشي ھوئي طاقت کے امانت دار نہیں ھیں ' اور شکر گزاری کي جگہہ کفران نعمت میں سرشار ھیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رھے ھیں ' اب اُن مسلمانوں کو بھي کافروں سے لڑنے کی اجازت دي جاتي

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب - (۲ : ۱۷۹) تمھارے لیے قصاص کی موت میں امن کی زندگی پوشیدہ ھے !

لھذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ آجاے ' جنگ کرتے رھو - کبھی اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ھی باقی نہ رہے " تضع الحرب اوزارھا " جنگ اپنے ھتیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ھوجاے - فساد و بطلان کی وہ قوتیں ھی باقی نہ رھیں جو خدا کی زمین کو ھمیشہ انسانی خون سے رنگتی رھتی ھیں - قرآن کا دعوا ھے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اسی وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگی : ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق ' لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹ : ۶۱)

فصل

(فضائل دفاع)

اسلامی احکام میں دہ حکم " دفاع " جو اھمیت رکھتا ھے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسی حکم ' کسی فرض ' کسی رکن ' کسی عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں باربار یہ بات بتلائی گئی ھے کہ قومی زندگی اسی عمل کے بقاء پر موقوف ھے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رھیگا اور اس کام کی راہ میں ھر مرد اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رھیگا ' اسوقت تک دنیا کی کوئی قوم انپر غالب نہ آسکیگی - جسدن یہ جذبہ مردہ ھوجائیگا - اسی دن سے مسلمانوں کی قومی موت بھی شروع ھوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کی تاریخ پیش کی ھے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقی رھا ' حکومت و عزت انھی کیلیے تھی - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومی زندگی و عزت کے دائمی عیش کی طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' تو ذلت و محکومی کا داغ ھر یہودی کی پیشانی پر لگ گیا ' اور ھمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ھوکر رھگئے : ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باؤا بغضب من اللہ !

مسلمانوں کی کسی حکومت یا آبادی پر حملہ کرے ' یا اُس پر خود قابض ہو جانا چاہے ' تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے اُٹھہ کھڑے ہوں - جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کیا ہے ' یہ بھی کریں - قتل و جنگ کی جو جو حال وہ چلے ہیں ' یہ بھی چلیں - البتہ یہ جائز نہیں کہ اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندھدیے ہیں (مثلاً ضعیفوں ' بوڑھوں ' بچوں ' عورتوں ' راہبوں ' مذہبی عبادتگاہوں وغیرہ سے تعرض نہ کرنا) اُنسے قدم باہر نکالیں - پھر اُس حکم کی علت بھی بتلادی کہ الفتنہ اشد من القتل - بلاشبہ یہ جنگ قتل ہے اور انسانی قتل بہت بڑی برائی ہے ' لیکن اس برائی سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ لوگ اپنی آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہیں رہتے - دوسروں کے حقوق آزادی و حکومت چھیننا چاہتے ہیں - توحید کی جگہ کفر و شرک کے ماننے مسلمانوں کو لانا چاہتے ہیں ' قوموں کا قدرتی حق حریت پامال کر رہے ہیں - اگر اسکے دفع کا انتظام نہ کیا جائے ' تو پھر دنیا میں کوئی قوم زندہ و باقی نہیں رہسکتی - پس بڑی برائی کے دور کرنے کیلئے چھوٹی برائی اختیار کرلینی چاہیے - یہ خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمی عمل ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کبھی جنگ کا حکم نہ دیتا -

سورۂ محمد (ص) میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کی اصلی علت بھی بتلادی ہے :

حتی تضع الحرب اوزارہا - (۴۷ : ۴)	لڑتے رہو ' یہانتک کہ لڑائی موقوف ہو جائے -

یعنی اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ہو جائے - ساری دنیا ایک قوم' اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں - لیکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقی ہیں ' یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا - بس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور اُنکو فنا کردینا ضروری ہوا - مضبوط اور مستقل امن اُسی وقت قائم ہوگا ' جب پہلے امن کی خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جائے :

حتی اذا اثخنتموہم (۴۷ . ۵)	یہانتک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائیں -

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائیگا ' مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہوگا :

ہے - یہی اساس شرع ہے - یہی ملاک اسلام ہے - یہی ایمان و نفاق کی اصلی کسوٹی ہے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ہے - نماز اسی سے ہے - روزہ اسی سے ہے - حج اسی سے ہے - زکواۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ہے - سب اسکے لیے ملتوی ہو جاسکتے ہیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - نماز دین کا ستون ہے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ہے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ہے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ہے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ہو اور کرنے والے کو اسکی دائمی محبوبیت سے سرفراز کردے - ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھی اس ایک قطرۂ خون کی فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کی صدقات و خیرات بھی اس ایک درہم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتی کہ یہی عمل اسلام و ایمان کی اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالی ہوا ' وہ ایمان و اسلام کی روشنی سے محروم ہوگیا - نفاق کی ظلمت اسپر چھا گئی - صحیح مسلم میں ہے :

من مات ولم یغزو لم یحدث نفسہ بہ ' مات علی شعبۃ من النفاق - (عن ابی ہریرۃ)

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھی اللہ کی راہ میں لڑائی لڑی ' اور نہ اسکے دل میں اس بات کی طلب رہی ' اسکی موت ایسی حالت میں ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے -

قرطبی نے اسکی شرح میں کہا " فیہ دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ہر مسلمان پر واجب ہے - اسکے عزم اور طلب سے بھی اگر دل خالی ہو گیا تو وہ مومن نہیں ہے ' منافق ہے - اگر ہندوستان کے مسلمان چاہیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کر لے سکتے ہیں !

ترمذی میں ہے - ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا " ای الاعمال احب الی اللہ " ؟ ساری نیکیوں اور عبادتوں میں

الم تر الی الملاء من بني اسرائیل من بعد موسی ؟ اذ قالوا لنبي لهم " ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله " قال " هل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل الله وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ؟ " فلما کتب علیهم القتال ' تولوا الا قلیلاً منهم ' والله علیم بالظالمین - (۲ : ۱۲۲)

کیا بني اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسی کے بعد کیا ہوا ؟ پہلے تو خودھي اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر پادشاہ بنادو کہ اُسکے ماتحت الله کی راہ میں لڑیں " نبي نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پر پورے اُترو - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلي دکھلا کے نافرمانی کرجاؤگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہوسکتا - ہمکو کیا ہوگیا ہے کہ حق کی راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں ؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماري اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے " لیکن دیکھو ' جب لڑائي کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نہ ہوا -

سنن ابو داؤد میں ہے " اذا ضن الناس بالدینار والدرهم و تبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر ' و ترکوا الجهاد في سبیل الله ' انزل الله بهم بلاء ' فلم یرفعه حتی یراجعوا " یعنی جب کوئي جماعت جہاد فی سبیل الله ترک کردیتي ہے تو اسپر بلائیں نازل ہوتي ہیں جو کبھی دور نہیں ہوسکتیں - الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں -

چونکہ شریعت و ملت کے قیام کی اصلی بنیاد یہی چیز تھي ' اسلیے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ' اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا ہے ' اس عمل کا مرتبۂ و اجر افضل و اعلی ٹھہرایا - جس عمل میں جسقدر زیادہ ایثار و قربانی ہوگی ' اُتنا ھی زیادہ اُسکا اجر و ثواب بھی ہوگا - ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہوسکتا ہے ؟

کوئي خاص وقت اور عہد اسکے لیے مخصوص نہیں - ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگي کے ایمان و صداقت کي بنیاد یہي چیز اور اسي کا سچا عشق و ولولہ ہے - یہي سنام دین ہے - یہي عماد ملت

کي ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اُسکي نعمتوں سے بہتر ھے اور اُن ساري چیزوں سے افضل ھے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ھے ا

بخاري میں دو حدیثیں ھیں " ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره أن یرجع الی الدنیا و أن له الدنیا و ما فیها ' الا الشهید - لما یری من فضل الشهـــادة فانه یسره أن یرجع الي الدنیا فیقتل مرة أخری " اور روایت انس " ما احد یدخل الجنة یحب أن یرجع الي الدنیا و له ما علی الارض من شيء ' الا الشهید ' یتمنی أن یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یري من الکرامة " حاصل دونوں کا یہ ھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کي کسي کو آرزو نہیں ھوسکتي مگر اُس کو جو الله کی راہ میں شہید ھوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ھے تو تمنا کرتا ھے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبہ اِسی طرح الله کی راہ میں مارا جاؤں - اور ھر مرتبہ شہادت کي عزت و کرامت حاصل کروں ا

حد ھوگئی کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کي تھیں ' اگر کبھي انسے کوئي لغزش ھوئی اور معصیت میں مبتلا ھوگئے ' تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یہ وہ جاں نثار حق ھیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کي ھے - عجب نہیں کہ اس ایک عمل کے صلہ میں الله نے انکی ساري پچھلی اور آئندہ خطائیں بخشدي ھوں اور کہدیا ھو کہ جو جی میں آے کرو ا

طبرانی نے عمـــران بن حصین سے روایت کي ھے کہ جب شام کے رومیوں کی طیاریوں کی خبر پہنچي تو مدینہ میں مسلمانوں کی حالت نہایت نازک اور کمزور تھی - کسی طرح کا سازوسامان میسر نہ تھا - حضرة عثمـــان نے یہ حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتي قافلہ آنحضرة کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلیے طیار ھوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسبـــاب سے لدے ھوے تھے ' اور دو سو اوقیہ سونا تھا - آنحضرة نے فرمایا " لا یضر عثمان ما عمل بعدها " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھہ ھی کرے لیکن کوئي عمل اسکو نقصـــان نہیں پہنچا سکتا - (اخرجه الترمذي و الحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمن بن حباب نحوه)

سبحان الله اس عمل عظیـــم کی برکت و بخشش ا اس حدیث سے معلوم ھوا کہ عمل دفاع کیلیے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کي

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ھے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ھوئی (۱)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص ۔

اللہ تعالی تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ھے جو اُسکی راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ھیں، گویا ایک دیوار ھے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ھے، اور دیوار بھی کیسی ؟ ایسی جسکی ھر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دی گئی ھو ۔

پھر اسی سورہ میں آگے چلکر فرمایا - یہی وہ عمل ھے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ھیں - کوئی خطا، کوئی معصیت، کوئی برائی باقی نہیں رھتی - اسی نجات کا دروازہ ھمیشہ کیلیے کھل جاتا ھے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون باللہ و رسولہ، و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم، و یدخلکم جنات تجری من تحتہا الانہار، و مساکن طیبۃ فی جنات عدن - ذلک الفوز العظیم ۔

بخاری و مسلم میں حضرۃ ابو ھریرہ سے مروی ھے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل" ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ھے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ما ذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کی راہ میں جہاد ۔

بخاری میں ابوسعید خدری سے ھے " قیل ای الناس افضل ؟ فقال مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمی کون ھے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتا ھے -

اور فرمایا " لغدوۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیہا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " (بخاری) جہاد فی سبیل اللہ

---

(۱) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام، و ابن ابی حاتم و ابن حبان، و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین، و البیہقی فی شعب الایمان و السنن، و الطبری فی التفسیر -

بخاري و مسلم میں ھے - تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا - " ما يعدل الجهاد في سبيل الله ؟ " کونسا کام ھے جو جہاد کے برابر درجۂ و فضیلت رکھتا ھو ؟ تینوں مرتبہ فرمایا " لا تستطيعونه " تم اسکی طاقت نہیں رکھتے - یعنی کوئی عمل ایسا نہیں ھے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ھو اور تم کرسکو- پھر فرمایا " مثل المجاهد كمثل الصائم القائم القانت بايات الله لا يفتر عن صلاته و لا صيامه حتى يرجع "

اور فرمایا " من اغبرت قدماه في سبيل الله ساعة من نهار ' فهما حرام على النار " (رواہ احمد) جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں ایک گھنٹہ کیلیے بھی گرد آلود ھوے ' دوزخ کی آگ اُن قدموں پر حرام ھے -

امام بخاری نے اسی حدیث کو یوں روایت کیا ھے " ما اغبرت (و في رواية المستملي " اغبرتا " بالتثنية) قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار " ایسا نہیں ھو سکتا کہ جس بندے کے پانوں جہاد کی راہ میں غبار آلود ھوے ھوں ' اُن کو جہنم کی آگ بھی چھو سکے - حافظ عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ھیں - اس حدیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ھے - جب صرف غبار راہ سے قدموں کا آلودہ ھونا اتنا بڑا اجر رکھتا ھے کہ جہنم کی آگ اُن پر حرام ھوجاتی ھے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعی و تدبر کرے اور اپنی جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ھوگا ؟ اور کون ھے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ھے ؟ و الله يضاعف لمن يشاء -

اور فرمایا " ما من ميت يموت الا ختم عمله ' الا من مات مرابطا في سبيل الله ' فانه ينمو له عمله الى يوم القيامة و امن من فتنة القبر " (رواہ اصحاب السنن) کوئی ایسی موت نہیں جسکے ساتھ اعمال کا سلسلہ بھی ختم نہ ھو جاتا ھو ' الا وہ شخص کہ جہاد کی راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ھوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ھے جو مرنے کے بعد بھی قیامت تک بڑھتا رھیگا -

یعنی عمل جہاد بھی حسنات جاریہ میں سے ھے - حسنات جاریہ بموجب نص حدیث مسلم تین ھیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریہ - مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقی رھیں - اس حدیث اور اسکی ھم معنی احادیث سے معلوم ھوا کہ جہاد کا ھر کام بھی اسی قسم میں داخل

نظروں میں ایسا محبوب و محترم کام ہے ' جسکے بعد کوئی برائی بھی صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی - کسی عمل کسی طاعت ' کسی عبادت کو بھی یہ فضیلت نصیب نہ ہوئی !

ترمذی میں ہے " من رابط لیلة في سبیل الله ' کانت له کالف لیلة صیامها و قیامها " جس مسلمان نے ایک رات بھی جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاٹی ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم في سبیل الله خیر من عبادة احد کم فی اهله ستین سنة " (ترمذی) ساٹھہ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلة فی سبیل الله ' افضل له من الف لیلة ' یقام لیلها و یصام نهارها " (رواه احمد) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیة الله ' و حرمت النار علی عین سهرت فی سبیل الله " (ایضاً) جو آنکھہ الله کے خوف سے اشکبار ہوئی ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگی ' اسپر دوزخ کی آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول الله ! کوئی ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر ' و تصوم فلا تفطر ؟ " اسکی طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میری طاقت سے باہر ہے - فرمایا " و الذي نفسی بیده ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاهدین في سبیل الله - اما علمت ان فرس المجاهد لیستن في طوله فیکتب له بذلک الحسنات ؟ " خدا کی قسم ! اگر تم ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھتے اور کر دکھاتے ' جب بھی اُن لوگوں کی فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو الله کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھی اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں ؟ (رواه احمد ' و ایضاً رواه البخاري باختلاف یسیر)

خدمت انجام دی، تو اگرچه وہ مجاھدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے، لیکن اُن کے لیے بھي اجر ھے، اور ساري عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ھے -

ابن ماجه میں ھے " من ارسل بنفقة فی سبیل الله و اقام فی بیته، فله بکل درهم سبع مائة درهم، و من غزا بنفسه فی سبیل الله و أنفق فی وجهه ذلک، فله بکل درهم سبع مائة الف درهم - ثم تلا هـذه الایه - و الله یضـاعف لمن یشاء " یعنی جو مسلمان اپنے وطنوں میں گھر سے نه نکلا، صرف اپنے روپیه سے جہاد میں مدد دي، تو اسکو هر ایک روپیه کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنی اس انفاق مدی سات سو درجه زیادہ اجر ھے - اور جس نے روپیه بھی لگایا اور خود بھی شریک کار ھوا، تو اسکے لیے سات ھزار درجه زیادہ اجر ھے - پھر آپنے یه آیت پڑھی " الله جس کسی کا اجر و ثواب چاھتا ھے دوگنا کردیتا ھے "

اور امام بخاري نے باب باندھا ھے " فضل من جهز غازیا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لاے ھیں " من جهز غازیا فی سبیل الله فقد غزا و من خلف غازیا فی سبیل الله بخیر فقد غزا " یعني جس شخص نے مجاھد و غازي کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھه بھال کي تو اسکے لیے بھي ایسا ھي اجر ھے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ھے، معلوم ھے - علی الخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق که ساري نیکیوں اور ھر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ھے جسکے لیے یه حقوق بھی روک نہیں ھوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ھی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ھے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغه میں ھے، تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ھوسکتا ھے مسلمانوں کے سامنے آ گیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاھئیں - ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوي، بچے، رشتے ناتے، اپنی اپني جگهه سب حق ھیں - سب کا حق ادا کرنا چاھیے - لیکن خدا اور اسکي سچائی کا حق سب سے بڑا حق ھے - اُسکے رشته کے سامنے سارے رشتے ھیچ ھیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آ گیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

ھے - علت اسکی بالکل واضح ھے - عمل جہاد کي بنیاد ھي یہ ھے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والي نسلوں کی حفاظت و سعادت کیلیے اپنا وجود قربان کردیا جاے - پس کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ہو - اور اسي لیے ضروري ہوا کہ اسکا اجر بھی وقتی نہو ' دائمی ھو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ھے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملینگے ' تو صاحب عمل کا اجر بھی فوراً کیوں منقطع ھوجاے ؟

اس حدیث میں " مرابطاً في سبیل اللہ " کا لفظ آیا ھے - اور دوسري حدیثوں میں بھی جا بجا " رباط " کا لفظ وارد ھے - " رباط " سے مقصود یہ ھے کہ کسی مقام میں ٹھہر کر دشمن کے حملہ کا انتظار کرنا - تاکہ جب دشمن آجاے تو اللہ کي راہ میں مقابلہ کیا جاے - نہایہ میں ھے " ھو الاقامة فی مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ لقصد دفعہ للہ " پس " مرابطا في سبیل اللہ " کا مطلب یہ ھوا کہ اگر لڑکر شہید ھونے کا موقعہ نہیں ملا ' اور حملہ کے انتظار ھي میں موت آگئی ' جب بھي اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رھیگا - اور وہ ھزار دنوں کے روزہ و نماز سے بھی افضل ھے ! اسي بنا پر امام بخاري و امام نواوي وغیرھما نے فضل الرباط في سبیل اللہ کا باب باندھا ھے -

قرآن بھي ھر جگہ اور بار بار یہی کہتا ھے .

الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا في سبیل اللہ باموالھم و انفسھم ' اعظم درجة عند اللہ و اولائک ھم الفائزون - یبشرھم ربھم برحمة منہ و رضوان و جنات لھم فیھا نعیم مقیم - خالدین فیھا ابدا - ان اللہ عندہ اجر عظیم ! (۹ : ۲۳)	جو لوگ ایمان لاے ' حق کي راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ' اپني جان و مال سے جہاد کیا ' سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اونچا درجہ انہی کا ھے - یہی لوگ ھیں کہ دنیا اور آخرة میں کامیاب ھونگے - اللہ کی طرف سے انکے لیے بشارت ھے - اسکی رحمت ' اسکی محبت ' بہشتي زندگی کي نعمتیں ' اور انکی دائمی اور ھمیشگی ' سب کچھہ انہی کیلیے ھے -

جو لوگ خود اپنی ذات سے جہاد و دفاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاھدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں ' یا اور کسي طرح کي

فصل

(عہد نبوت کا ایک واقعہ)

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ہجرۃ کے نویں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپنے بھی طیاری کا حکم دیدیا' اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹۹ : ۱۱۹)

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر (رض) نے اسی دواع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب اُنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاهلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو ؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لهم الله و رسوله " ! اللہ اور اُس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بخواست ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی ھر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ھر دو جہان را چہ کند ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

قل ان کان اباؤکم ' و ابناؤکم ' و اخوانکم ' و ازواجکم ' وعشیرتکم ' و اموال اقترفتموها ' و تجارة تخشون کسادها ' ومساکن ترضونها ' احب الیکم من الله و رسوله و جهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره و الله لا یهدی القوم الفاسقین - (۹ : ۲۵)

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین' تمہاری اولاد ' تمہارے بھائی ' تمہاری بیویاں' تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے ' یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے ' یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑجانے سے تم ڈرتے ہو' وہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے ' اگر تمہیں الله اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں ' اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ الله کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی ' تو جان لو کہ الله کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ الله کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھاے - الله کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اس وقت لازم سے الزم ہوجاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجاے' لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالی ہوا ' اس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله وعدوکم و آخرین من دونهم لا تعلمونهم (۸ : ۶۰)

جسقدر بھی تم سے ممکن ہو' دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور ساز و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاری مستعدی دیکھکر الله اور اسکی امت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جاے - تم پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہو -

رکھا ھے ' اسکی گہرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمھیں کیا معلوم ؟ اُسکی بے التفاتي بھي دوسروں کي محبت و عزت سے ھزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ھے :

اے جفا ھاے تو خوشتر ز وفاے دگراں !

ان مومنین صادقین کي یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاري رھی - بالآخر اللہ تعالی نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ھوئی :

و علی الثلثۃ الذین خلفوا ' حتی ضاقت علیھم الارض بما رحبت و ضاقت علیھم انفسھم و ظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا - ان اللہ ھوالتواب الرحیم ' (۹ : ۱۲۰)

اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ فیصلہ الہی کیلیے ملتوي کردیا گیا تھا ' سو جب انکا یہ حال ھوا کہ تمام مسلمانوں نے اُنکو چھوڑ دیا ' زمین باوجود اپنی وسعت کے اندر تنگ ھوگئی ' اپنی زندگی سے بیزار ھوگئے اور اُنھوں نے دیکھہ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ھے مگر صرف اسی کی طرف ' تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقیناً اللہ ھی ھے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ھے !

حضرة کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاھا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ھیں .

(۱) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و اُمت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ھر مسلمان پر فرض ھوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کي - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھي - حجاز میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کی خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سنے جاسکتے ھیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داري کے لیے مناسب ھوسکتے ھیں ؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ھے کہ نہ کوئي عذر سنا گیا ' نہ کوئی مشکل رکاوٹ ھوسکي - حکم ھوا کہ سب کچھہ چھوڑ دو - ساري مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ھو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ھي عبرت انگیز تذکرہ ھے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا في الحر - قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون (۹ : ۸۳)

اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوے تھے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن اُمیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور اُن ۷۳ سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوے تھے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہ ہوسکتا ہے ؟ اُنکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھہ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ اتنی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوے تو توبہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات اسے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھہ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیواروں کی طرح پھرتے تھے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھرا لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تھے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے !

•

غسان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھہ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

مغفرت کہلا پاؤ گے - لیکن دیکھو' امت کی حفاظت و مدافعت سے غفلت کرنا اللہ کی نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ کانک توبہ بھی قبـــول نہوئی - تینوں صحابی آپکی واپسی کے بعد پہلی ہی صحبت میں عفو تقصیر کیلیے حاضر ہوگئے تھے ' مگر حکم ملا کہ ابھی نہیں - انتظار کرو- پچاس دن سزاؤ عقوبت کے گذر جکے تب کہیں جاکر توبہ قبول ہوئی '

(۴) جب اُن پاک انسانوں کا یہ حال ہوا کہ ایمان اُنکا ایمان تھا ' اور نیکیاں اُنکی نیکیـــاں - اُن کے بستر خواب کے اجر و ثواب کا بھی ہماری بڑی بڑی عبادتیں مقابلہ نہیں کرسکتیں ' تو خدا را بتـــلاؤ ' ہم بدبختوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کی دولت ساتھہ ہے نہ طاعت و حسنات کی پونجی دامن مین - زندگی یکسر برباد غفلت و معصیت ' اور عمریں یکقلم تاراج نفس پرستی و نافرمانی - وہاں عزم و ایمان کے ساتھہ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھہ صریح نافرمانی و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبۂ و انابت ' اُنکے ساتھہ سب کچھہ تھا اور کام نہ آیا - ہمارے پاس تو کچھہ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کی طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ہمارے غافل دلوں پر بیخوفی کی موت چھا گئی ہے ؟ بتلاؤ' زمین و آسمان میں کون ہے جو اُس دن ہمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھہ ہماری طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

فصل

(ایک عام غلط فہمی)

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں - مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی

(۲) یہ تینوں مسلماں جو شرکت دفاع سے رهگئے ' مخلصین مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر هوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے سایۂ تربیت میں رهتے تھے ' انهی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' انهی کے ساتھ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنی فرد کی عبادت کا مقابلہ هم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرۃ کعب بن مالک سابقون الاولون میں سے هیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انهی عشاق اسلام میں سے هیں - خود کہتے هیں کہ کسی اسلامی خدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا - هر جنگ میں شرکت کی - هر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رهگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - چلنے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور هوا کہ سستی اور کاهلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاهم دیکھو ' یہ سستی اور کاهلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آ سکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں هی نے کچھہ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع هو سکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے هوے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باهر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفار میں بسر هوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

(۳) اسلام کے احکام مقبولیت توبہ کے بارے میں جو حال هے ' معلوم هے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اُسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتی تملاء خطایاکم ما بین السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' اللہ یغفرلکم " (رواہ مسلم عن ابی هریرۃ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے هوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاے هوے آؤ تو دروازہ

ھی نہ تھی، اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی - سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق واتمام حجۃ ومقاومۃ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ھے -

بخاری وابن ماجہ میں ھے - حضرۃ عائشہ نے پوچھا " علی النساء جہاد ؟ " کیا عورتوں کیلیے بھی جہاد ھے ؟ فرمایا " نعم جہاد ' لا قتال فیہ - الحج والعمرہ " ھاں ' جہاد ھے مگر اسمیں لڑنا نہیں ھے - حج اور عمرہ - اس حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی مصیبت کو جو حج و عمرہ میں پیش آتی ھے' عورتوں کیلیے جہاد فرمایا ' اور کہا ایسا جہاد جسمیں لڑائی نہیں - اس سے معلوم ھوا کہ لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت " جہاد " باقی رھتی ھے -

اگر اُمت کیلیے دفاع و جنگ کا وقت آ گیا ' یا کسی جماعت مفسدین ارض پر امام نے حملہ کیا ' تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ھی نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساری باتیں شریعت کے نزدیک جہاد ھیں - جسکی طاقت میں جنگ کرنا نہیں ھے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاھد ھے - جس نے زبان سے دعوۃ و تبلیغ کی وہ بھی مجاھد ھے - جس نے اس راہ میں اور کسی طرح کی تکلیف و مصیبت اُٹھائی ' وہ بھی مجاھد ھے - البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت رکھتا ھے اور اس سے پہلو تہی کرے ' تو اُسکا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا - اسکا شمار مومنوں کی جگہ منافقوں میں ھوگا - جو مال دیسکتا ھے اور نہ دیا ' تو وہ بھی ایمان و اخلاص کی زندگی سے نکل گیا - زمین پر گو مسلمان کہلاے پر اللہ کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کی زبان اعلان حق اور دعوۃ الی الجہاد میں کھل سکتی ھے مگر نہ کھلی ' اُس نے بھی ایمان چھوڑکر نفاق کی راہ اختیارکرلی - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو ھزاروں فریب دیتا رھے - ترمذی اور ابو داؤد میں ھے - " افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جایر " سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمۂ حق ھے جو شاھان جور و ظلم کے سامنے بے باکانہ کہا جاے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاھدین کاملین اور اصحاب عزیمۃ عمل کا ھے' جنکی زندگی سر تا سر جہاد فی سبیل اللہ ' اور جنکا وجود بکسر خدمت حق ' و شیفتگی صدق ' و عشق دعوۃ ھے - جو اس عمل مقدس کیلیے کسی خاص صداے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رہتے - بلکہ ھر صبح جو اُنپر آتی ھے' جہاد فی سبیل اللہ کی صبح ھوتی ھے' اور ھر شام

اور سچائی کی راہ میں کی جاے' " جہاد " کے لفظ سے تعبیر کیا ھے - نہ سعي زبان سے بھي ھے' مال سے بھی ھے' انفـــاق وقت و عمر سے بھي ھے' محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھي ھے' اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ھے - جس سعي کی ضرورت ھو' اور جو سعي جسکے امکان میں ھو' اسپر فرض ھے' اور جہاد في سبیل اللہ میں لغۃ و شرع' دونوں اعتبار سے داخل - نہ بات نہیں ھے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائی ھی ھو - اگر ایسا ھوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی و لسانی پر نہ ھوتا - حالانکہ کتاب وسنت ایسے اطلاقات سے لبریز ھیں - شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقداع نے نقل کیا ھے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ھے " الامر بالجهـــاد منه ما یکون بالقلب' کالعزم علیـــه' ومنه ما یکون باللسان کالدعوة الی الاسلام والحجة و البیان' و الراي و التدبیر في ما فیه نفع المسلمین - و بالبدن - ای القتال بنفسه - فیجب الجهاد بغاية ما یمکنه من هذه الامور" (جلد - ۱ - ۶۵۳)

دشمنوں کی وجہ سے خاص وقت ھي میں مقابلہ ھوسکتا ھے' لیکن ایک مومن انسان اپنی ساري زندگی اور زندگی کی ھر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ھے - مشہور حدیث ھے " المجاهد من جاهد نفسه في ذات اللہ ' و المهاجر من هجر ما نهی اللہ عنه "

سورۂ فرقان میں ھے فلا تطع الکافرین وجاهدهم به جهاداً کبیرا (۲۵ : ۵۵) یعني کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکي ھے' اور معلوم ھے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ھجرۃ مدینہ کے بعد ھوا - پس غور کرنا چاھیے کہ مکي زندگي میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رھا ھے ؟ جہاد بالسیف تو ھو نہیں سکتا - یقیناً وہ حق کی استقامت اور اسکي راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا - مکی زندگی میں جس طرح نہ جہاد جاري رھا' سب کو معلوم ھے - حق کی راہ میں دنیا کي کسی جماعت نے ایسي تکلیفیں اور مصیبتیں نہ انتہائي ھونگي' جیسی اللہ کے رسول اور اسکے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں - اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ھوا -

اسی طرح منافقوں کے ساتھہ بھي جہاد کرنے کا حکم دیا گیا - جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیهم (۹ : ۷۳) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگي بسر کر رھے تھے - انسے جنگ و قتال کي ضرورت

فصل

(احــکام قطعیــۂ دفــاع)

غرضکہ " دفاع " اسلام کے اُن بنیادی حکموں میں سے ہے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رهکر کبھی ترک نہیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائی برابر بھی ایمان کی محبت باقی رهگئی ہے ' تو اُسکی طاقت سے باهر ہے کہ اللہ کی یہ صداے حق سنے ' اور اسر تا پا کانپ نہ اُٹھے :

یا ایها الذین آمنوا ! ما لکم اذا قیــل لکــم انفــروا فــی سبیــل اللــه ' اثا قلتــم الــی الارض ؟ ارضیتــم بالحیـــاة الـدنیا مــن الاخــرة ؟ فمـــا متاع الحیـــاة الـــدنیا فی الاخرة الا قلیـــل - (۹ : ۳۹)

مسلمانو ! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے " اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو " تو تمہارے قدموں میں حرکت نہیں ہوتی اور زمین پر ڈھیر ہوے جاتے ہو ؟ کیا تم نے آخرة چھوڑکر صرف دنیا ہی کی زندگی پر قناعت کرلی ؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو ' جس زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو ' وہ آخرة کے مقـــابلہ میں بالکل ہی ہیچ ہے !

اسکے بعد فرمایا

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیما و یستبـــدل قوما غیـــرکم ' ولا تضروہ شیئا - واللہ علی کـل شئ قدیر ! (۹ : ۳۰)

یاد رکھو ! اگر تم نے حکم الہی سے سرتابی کی ' اور وقت کے آنے پر بھی راہ حق میں کمر بستہ نہوے ' تو اللہ نہایت ہی سخت عذاب میں ڈالکر اسکی سزا دیگا ' اور تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو خدمت اسلام کیلیے کھڑا کردیگا - تم جہانت دیے جاؤگے - کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں ہے - تم ہی اپنی زندگی و نجات کیلیے اُسکے محتاج ہو !

اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ' اُنکی حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکی آبادیوں اور شہروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیے کفار ایک دوسرے کے ساتھی اور حامی ہیں :

والذین کفـــروا بعضهـــم اولیـــاء بعـــض -

جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی تو وہ ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں -

ی تاریکی جو اُنپر پھیلتی ھے ' وہ اسی راہ کی شام ھوتی ھے - اُنکی
ندگی پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ علیا و فضیلۂ عظمی
کے اجر و ثواب سے خالی ھو -

کائنات ھستی کے ھر عمل کی طرح یہ عمل بھی تین عنصروں سے
رکب ھے - دل ' زبان ' اعضا و جوارح - سو اُنکا دل ھمیشہ عشق حق
ور عزم مقصد کی آتش شوق میں پھنکتا رھتا ھے - انکی زبان ھمیشہ
علان حق ' و دعوۃ الی اللہ میں سرگرم رھتی ھے - اُنکے ھاتھہ
ور اُنکے تمام جوارح کبھی اس راہ کی سعی و محنت سے نہیں تھکتے - اسکے
عد جہاد کا کونسا کام رھگیا جو انہوں نے نہیں کیا ؟ اور اس راہ کا کونسا
مرتبہ رھگیا جو اُنہوں نے نہیں پایا ؟ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء
و اللہ ذوالفضل العظیم !

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو ملگیا
ھر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

جہاد کی اس حقیقت کو سامنے رکھکر غور کرو ! انسانی اعمال کی
کونسی برائی اور عظمت ھے جو اسکے دائرہ سے باھر رھگئی ؟ اور
نوع انسانی کی ھدایت و سعادت کا کونسا عمل حق ھے جو اسکے بغیر
انجام پا سکتا ھے ؟ پس یہی وجہ ھے کہ شریعت نے اسکی اھمیت
و فضیلت پر اسقدر زور دیا کہ ساری نیکیاں ساری عبادتیں اس سے پیچھے
رھگئیں - سب کا حکم شاخوں کا ھوا - جڑ یہی عمل قرار پایا - اس سے
بڑھکر اور کیا دلیل فضیلت ھوسکتی ھے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمایا :
" والذي نفسی بیدہ ' لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیا ' ثم اقتل
ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل " (رواہ البخاری) خدا کی قسم ! اگر
ممکن ھوتا تو میں یہ چاھتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ
ھوں - پھر قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ھوں -
پھر قتل کیا جاؤں - تاکہ اُسکی راہ میں جان دینے کی لذت و سعادت ایک
ھی مرتبہ میں ختم نہ ھوجاے !

تمنت سلیمی ان نموت بحبها
و اھون شي عندنا ما تمنت !

مقابلہ جاری رکھا جاے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دینگے اور اسلام کی اشاعت اور اسکے مشن کی تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہونگے-

فقہاء کی اصطلاح میں فرائض شرعیہ کی دو قسمیں ہیں - " کفایہ " اور " عین" - یہ بھی اعمال انسانی کی قدرتی تقسیم ہے جسکو " جماعتی فرائض " اور " شخصی فرائض " کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے - " فرض کفایہ " سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کردیے گئے ہیں کہ اُنکا انتظام کردیں - پس انتظام ہو جانا چاہیے - یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بھی لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقی مسلمانوں پر سے اُسوقت ساقط ہوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسی میں ہوگی کہ اداء فرض کفایہ میں بھی شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ہے بلکہ جماعت سے ہے پس ہر مسلمان جماعت اور آبادی کو اُسکا انتظام کر دینا چاهیے - جب انتظام ہوگیا تو اس آبادی کے بقیہ افراد پر اسکا وجوب باقی نہ رہیگا -

دوسری قسم " اعیان " کی ہے - یعنے وہ فرائض جنکی فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بری الذمہ نہیں ہو جاسکتــــا - جیسے پانچ وقت کی نماز، روزہ، زکوۃ، حج -

شرعا قتال کی پہلی صورت (یعنی ہجوم و مقابلہ کا دائمی سلسلہ) فرض کفایہ ہے بحکم " وَمَا کَانَ المؤمنون لینفروا کافۃ " - ضروری نہیں کہ یہ یک وقت ہر مسلمان اسمیں حصہ لے - ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو یہ فرض انجام دیتی رہے - اگر ایک جماعت انجام دے رہی ہے تو کافی ہے - جو مسلمان شریک ہوگا، اُسکے لیے بڑا اجر ہے - جو شریک نہ ہوگا، اسکے لیے کوئی گناہ نہیں - صاحب ہدایہ (جسکا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہے اور ہندوستانی عدالتوں میں محمڈن لا کی بنیادی کتاب ہے) لکھتے ہیں :

مسلمانوں کي مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے ھیں :

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ -	جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي ' تو وہ حق کي مخالفت میں اپنا مال خرچ کررھے ھیں -

پس مسلمانوں کي بھي سب سے بڑي اسلامي و ایماني خصلت یہ قرار پائي کہ :

والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض - (۹ : ۷۲)	مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باھم ایک دوسرے کی رفیق اور مددگار ھیں !

اور اسي بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسي ایک اسلامی حصہ پر غیر مسلم حملہ کردیں اور وھاں کے مسلمان اُنکے مقابلہ کی کافی قوت نہ رکھتے ھوں ' یا بالکل مغلوب و مقہور ھوگئے ھوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ھے کہ انکي داوري و اعانت کیلیے اُسي طرح اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح خود اپنی آبادیوں کی حفاظت کیلیے اُٹھتے - اور اپنی جان و مال سے اُسي طرح مدد دیں ' جس طرح خود اپنے گھر بار کي حفاظت کیلیے مدد دیتے -

یہ نہ کوئی نیا مذھبی اجتہاد ھے ' نہ کوئي پولیٹکل دعوی - تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کی جو کتابیں صدیوں سے بڑھتے پڑھاتے آئے ھیں ' اور جو چھپی ھوئي بازاروں میں ھر جگہ ملتی ھیں ' اور جن پر خود ھندوستانی عدالتوں میں عمل کیا جارھا ھے ' اُن سب میں یہ احکام موجود ھیں - اسلامی دینیات کا کوئي طالب علم ایسا نہیں ملیگا جو ان حکموں سے بے خبر ھو - اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب اللہ ھے جو اپنے ھر پارہ اور ھر سورۃ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تیرہ صدیوں سے بلند کررھي ھے - نوع انساني کی کامل بیس نسلیں گزر چکیں ' اور یہ احکام ابدی یکساں ' غیر مبدل ' اٹل ' اور لا انتہا طاقت کے ساتھہ مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررھے ھیں !

" جہاد " کي بہت سے قسموں میں سے ایک قسم " قتال " یعني لڑائي ھے - اور اُسکی بھي دو صورتیں ھیں - " ھجوم " اور " دفاع " - یعني افنسو (Offensive) اور ڈیفنسو (Defensive) دراصل ھجوم کي بنیاد بھی دفاع ھي ھے - یعنے جب تک دنیا میں عالم گیر صلح و امن اور عام اخوت قائم نہ ھو جاے ' ضروري ھوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ھمیشہ

مسلمان اسکو انجام دیتے رہیں بلکہ ہر ملک کے مسلمانوں میں سے اتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاہیے جو حصول مقصد جہاد کیلیے کافی ہو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جہاد کے بقاء سے دوسرے ملک کے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے اُنپر بدستور اسکا وجوب باقی رہیگا اور بصورت ترک وہاں کے تمام مسلمان گنہ گار ہونگے - گذشتہ دانچ صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعی کو فراموش کردیا ہے - اور صرف کسی ایک حصے کے مسلمانوں ہی کے ذمہ اس کو چھوڑ کر خود فارغ البال ہوکر بیٹھہ رہے ہیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ اعداء حق کو صدیوں کی صدہاں عروج و ظہور کیلیے مل گئیں ' اور مسلمانوں کیلیے تمام کرۂ ارضی میں کوئی ایک گوشۂ بھی امن و سکون کا باقی نہیں رہا

و ما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون !

اور فتح الباري میں ہے " ھو فرض کفایة علی المشھور ' الا ان تدعو الحاجة الیه " اسکے بعد کہا " و ان جنس جہاد الکفار متعین علی کل مسلم ' إما بیدہ ' و إما بلسانه ' و إما بماله ' و إما بقلبه " [جلد ٦ : ٢٨] یعنی جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے - باقی رہا نفس جہاد ' تو وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے ' کسی کیلیے ہاتھہ سے ' کسی کیلیے مال سے ' کسی کیلیے دل سے - یعنی جس وقت ایک گروہ ہاتھہ اور تلوار سے مشغول جہاد ہوگا تو بقیہ مسلمانوں پر دل اور زبان سے انکے لیے سعی و اعانت فرض ہوگي - اور مال و دولت والوں کا فرض ہوگا کہ مال سے مدد کریں -

اسي طرح انوار میں ہے " ھو فرض کفایة اذا قام به من یکفی سقط وجوبه عن غیرھم " ابن ادریس اُسکی شرح میں لکھتے ہیں " و معنی الکفایة في الجہاد ان ینھض الیه قوم یکفون في جہادھم ' إما ان یکونوا جندالھم دراوین او یکونوا اعدوا انفسھم له تبرعاً و یکون فی الثغور من یدفع العدو عنھا و یبعث في کل سنة جیشا یغیرون علی العدو في بلادھم " (جلد ١ - ٦٥١)

یہ صورت تو اُس قتال کی ہے جسکی صورت حملۂ و ہجوم کی ہوگي ' دوسري قسم " دفاع " ہے - یعنی جب کوئی غیر مسلم جماعت مسلمانوں کي آبادیوں اور حکومتوں پر حملہ کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو ہر طرح مقابلہ کرکے روکنا ' اور اسلامی ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کي حکومت اور ہر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکھنا -

الجهاد فرض علی الکفایه - اذا قام فریق من الناس، سقط عــن البــاقیــن * فان لم یقم به أحد، أثم جمیــع الناس بتــرکه - لان الوجوب علی الکــل (کتاب السدر)

جہاد فرض کفایہ ہے - جب مسلمــانوں کی کوئی ایک جماعت اسکے لیے کھڑی ہوگئی، تو باقی مسلمانوں کیلیے واجب نہ رہا - لیکن اگر کوئی گروہ بھی اسکے لیے نہ اُٹھا، تو پھر تمام مسلمان جہاد ترک کردینے کی وجہ سے گناھگار ھونگے - کیونکہ فرض پوری قوم پر ہے -

لیکن جماعت سے کیا مقصود ہے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مجموعی جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کی جماعت ؟ اسکی تشریح سعدی چلپی حاشیۂ عنایۃ میں کرتے ہیں :

اول لاینبغی ان یفهم منه ان الوجوب علی جمیع اهل الارض کافــــه حتی یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم، اذ لا شك مع بقیامهم الشر عن الهنــود المسلمین - و ان قولــه تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفــار یدل علی ان الوجوب علی اهل کل قطر یقربون الکفار - (مجموعۂ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب نہ سمجھا جاے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یہ فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھی ساقط ہوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہوگیا - کیونکہ مقصود قیام جہاد سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیــا جاے - ظاہر ہے کہ مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان ہند محفوظ نہیں ہو جاسکتے - وہ تو جبھی ہونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یہ فرض انجام دیتی رہی، تو وہانکے بقیہ مسلمانوں پر سے ساقط ہوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقی رہیگی - قرآن میں ہے : قاتلوا الذین یلونکم من الکفار - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں، قتال واجب ہے - انتہی -

اس سے واضح ہوگیا کہ اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے - اور علی الکفایہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام دنیاکے مسلمــانوں میں سے کچھ

حملۂ و هجوم کے دائمی جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ہے) بعض جماعتیں مستثنیٰ ہیں - مثلاً عورتیں اور نوکر - عورتوں کے لیے شوہر کی خدمت اور نوکر کیلیے آقا کی خدمت مقدم ہے - لیکن اگر دفاع کی صورت پیش آگئی ہو تو اسکی فرضیۃ ایسی ہمہ گیر اور بالاتر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئی گروہ، کوئی فرد، مستثنیٰ نہیں ہوسکتا - بیوی بلا شوہر کی اجازت کے نکل کھڑی ہو - غلام بلا آقا کی اذن کے مشغول جہاد ہو جاے - ہدایہ میں ہے :

فان هجم العدو علی بلد، وجب علی جمیع الناس الدفع، تخرج المرأة بغیر اذن زوجها و العبد بغیر اذن المولی - لانه صار فرض عین، و ملک الیمین و رق النکاح لا یظهر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوٰة و الصوم - بخلاف ما قبل النفیر، لان بغیرهما مقنعا فلا ضرورة الی ابطال حق المولی و الزوج - (کتاب السیر)

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا، تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ہوگیا - بیوی بلا شوہر کی اجازت کے اور غلام بلا آقا کی اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ہوگیا، اور جو فرائض ایسے ہیں، اُنمیں مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ہوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آگیا ہے تو عورت پر نماز فرض ہوگئی - شوہر کی اذن پر موقوف نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اُسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھی یہ فرض ادا ہوسکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوہر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ہم نے ہدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ہندوستان کی سرکاری عدالتیں بھی آشنا ہیں - اور انگریزی میں محمڈن لا پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں، سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعی یہی ہیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ہیں - امام بخاری نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر " یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جاے تو قتال کیلیے سب کا اُٹھہ کھڑا ہونا واجب ہے - پھر آیۃ " انفروا خفافاً و ثقالاً " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کی روایت درج کی ہے " لا هجرة بعد الفتح

یہ فرض کفایہ نہیں ھے ' بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ھر مسلمان پر فرض عین ھے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ھو جاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھہ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ھو جاتی - اسی ھدایہ میں ھے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر " سے ھے - " نفر " کے معنی ھیں تیزی کے ساتھہ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ جانا - پس قوم کے اسے بلاوے اور اجتماع پر جو لڑائی کیلیے ھو " نفیر " کا اطلاق ھوا - قرآن میں ھے - انفروا خفافاً و ثقالاً - اور الا تنفروا - مطلب یہ ھے کہ اگر حفظ و دفاع کی ضرورت سے عام اجتماع و قیام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ھر مسلمان پر فرض عین ھوجاتا ھے -

ابن ھمام اسکی شرح میں لکھتے ھیں '

ھذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' واذا کان النفیر عاماً بان ھجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً -
(فتح القدیر - ۴ ۲۸۰)

فرض کفایہ کی صورت اسوقت تک ھے کہ نفیر کی حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ھر مسلمان فرد پر فرض عین ھوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ھو یا فاسق -

اور ھدایہ میں ھے

ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو وھو یقدر علیه - (مجموعہ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱)

اور اگر نفیر عام کی حالت ھو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ھوجائیگا جو دشمن سے قریب ھوں اور اس پر قابو رکھتے ھوں -

اسی طرح سراجیہ ' در المختار ' شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں ھے -
" اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور
" الجهاد فرض کفایہ اذا لم یکن النفیر عاماً ' واذا اقام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

کي بدنظمي و بدحالي هے - انکا فرض هوگا که داعی و امیر کا انتظام کریں
یہی حال تمام فرائض کا هے - نماز کا جب وقت آ جاے تو خواہ مؤذن کی
صداے " حي علی الصلاة " سدائي دے یا نہ دے ' وقت کا آ جانا وجوب
کیلیے کافي هوتا هے -

فصل

(ترتیب وجوب دفاع)

جب دفاع کا فرض عین هونا واضح هوگیا ' تو اب معلوم هونا چاهیے که
اس فرض کي انجام دهي کیلیے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کي
هے - عقل و حکمت کي بنا پر بھی اس معاملة کی قدرتی اور صحیح
ترتیب هوسکتي تھي - صورت اسکی یه هے که جب غیر مسلموں نے کسي
اسلامي حکومت اور آبادي کا قصد کیا ' تو اس شہر کے تمام مسلمانوں
پر بہ مجرد قصد اعداء ' دفاع فرض عین هوگیا - باقی رهے دیگر ممالک کے
مسلمان ' تو اگر زیر جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلـــه کے لیے
کافي قوت نہیں رکھتے - دشمن بہت زیادہ قـــوي هے - یا رکھتے هیں اور
غفلت و تساهل کرنے لگے هیں ' تو اس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام
دنیا کے مسلمـــانوں پر بھی دفاع فرض عین هوجائیگا - بالکل اسیطرح جیسے
نماز اور روزہ -

مگر صورت اس کی یوں هوگی که پہلے ان مقامات سے قریب تر مقام کے
مسلمانوں پر واجب هوگا - پھر ان سے قریب تر پر - پھر ان سے قریب تر پر -
حتی که مغرب و مشرق جنوب و شمال ' تمام اطـــاف عالم کے مسلمانوں پر
یکے بعد دیگرے فرضیت عائد هوجائیگي -

اسوقت سارے فرائض ' سارے وظائف ' سارے کام ' ملتوي کردینے
چاهیئیں - بمجرد اطلاع هر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے
ساتھه وقف دفاع ملت و جهاد في سبیل الله هوجانا چاهیے - اور قیام دفاع
کے لیے شرعاً جن جن وسائل و انتظامات کي ضرورت هے ' سب کو مل جلکر
انکا انصرام کرنا چاهیے - اگر کسي آبادي میں مسلمانوں کا کوئی امام و پیشوا
نہیں هے جو نظم و قیام اپنے هاتھه میں لے تو سب کا فرض هوگا که پہلے امام

و لکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فانفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرۃ فرض ہوئی تھی ' تو فتح مکہ کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہی - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقی ہے - تو جب جمع ہونے کیلیے پکارے جاؤ ' جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباری میں ہے " الا ان تدعوا الحاجۃ الیہ کان یدہم العدو و یتعین علی من عینہ الامام " (جلد ۶ : ۲۸)

اور موطا امام مالک میں ہے " اذا کان الکفار مستقرین ببلاد ہم ' فالجہاد فرض کفایۃ ' ان اقام بہ بعضہم سقط الحرج عن الباقین ' و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین ' وجب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوے ہیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے - لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آتا ہے ' اسلیے یہ بات بھی صاف ہوجانی چاہیے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے ؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کی ضرورت پیش آ جاے اور ہر شخص کو اُسکا علم ہو جاے - یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئی بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا ' نفیر عام کی حالت پیدا نہ ہوگی ؟ اسکا جواب شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح میں دیدیا ہے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود - استنفار را چوں منقح کنم حاصل شود حالتی کہ مقتضای استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا ' و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین ' و عدم کفایہ اوان مسلمانان ' و انچہ بداں ماند " (مسوی جلد ۲ - ۱۲۹)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نفیر کی صورت کیا ہے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جاے جو مقتضاے نفیر ہے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامی ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہوگئی تو جہاد فرض ہوگیا ' اور جب دشمنوں کی طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور انکے شکست کا خوف ہوا ' تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ہوگیا - خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں

هر یہ فرض عائد ہوگا - اسی طرح یکے بعد دیگرے اسکا وجوب منتقل ہوتا جائیگا - حتی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں ہوں یا مغرب میں ' دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض ہوجائیگا - انتہی -

ایسا ہی تمام کتب معتمدۂ فقہ و حدیث میں ہے - عبارتوں کے نقل و ترجمہ میں طول ہوگا - رد المحتار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے :
" فاما من ورائهم ببعد من العدو ' فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه ' اذا لم يحتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة ' او لم يعجزوا عنها لكنهم تكاسلوا ' فانه يفترض على من يليه فرض كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ' وثم وثم ' الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً "

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے " ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو و هو يقدر عليه ' و اما من ورائهم فلا يكون فرضا عليهم الا اذا احتيج اليهم ' اما لعجز القريب و اما للتكاسل ' فحينئذ يفرض على من يليهم " الخ -

اور شرح موطا میں ہے " فان لم تقع الكفاية بمن نزل بهم ' يجب على من بعد منهم من المسلمين عونهم " (جلد ۲ - ۱۲۹)

البتہ یاد رہے کہ یہ دفاع کی عام صورت ہے - لیکن دو حالتیں شرعاً ایسی بھی ہیں ' جن میں وجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کی ضرورت باقی نہیں رہتی - بیک وقت اور بیک دفعہ ہی تمام مسلمانان عالم پر دفاع فرض ہوجاتا ہے -

پہلی حالت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت ہو یا اُسکی بے بسی و بیچارگی کی حالت ایسی ہوجاے کہ بلا تمام مسلمانان عالم کی مجموعی اعانت کے مخلصی و فتح ممکن نہو -

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کے عین مرکزی مقام یعنی جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور ہوں جنکو ہمیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو - تفصیل اسکی آگے آتی ہے -
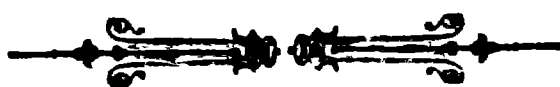
و امیر کا انتظام کریں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسی معصیت، ایسا فسق، ایسا عدوان، ایسا نفاق، جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے -

اگر قیامت کا آنا حق ہے، اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے، تو مسلمانان عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا، جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروروں کی تعداد میں زندہ و سلامت موجود تھے - تمھارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی - تمھاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمھارے کان بہرے نہ تھے نہ ہاتھ کٹے ہوے اور پانوں لنگڑے - پھر تمھیں کیا ہوگیا تھا کہ تمھارے سامنے تمھارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - مگر نہ تو تمھارے دلوں میں جنبش ہوئی، نہ تمھارے قدموں میں حرکت ہوئی، نہ تمھاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا، اور نہ تمھارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے ؟ تم نے جنن اور آرام کے بستروں پر لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونین تماشہ دیکھا، اور اُس بے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ہوے جہازوں اور بہتی ہوئی لاسوں کا نظارہ کر رہا ہو ! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ فما حیاۃ الدنیا الا قلیل !

فتح القدیر میں ہے :

فیجب علی جمیع اہل تلک البلدۃ النفر، وکذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ، وکذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ او تکاسلوا، او عصوا، و ھکذا الی ان یجب علی جمیع اھل الاسلام شرقاً و غرباً -

(جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کیلیے وہاں کے مسلمان کافی نہیں، تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے، اُنپر بھی فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھی کافی نہیں، یا انھوں نے سستی کی، یا دانستہ انکار کیا، تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

" مرکز ارضي " سے مقصـــود یه هے که اسلام کي دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کي بین الملي دعوۃ تھی - وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نه تھي - مسلمانون کی قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضي میں بکھر جاے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ھوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروري تھا که کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطه ھوتا - سارے بکھرے ھوے اجزاء وھان پہنچکر سمٹ جاے - تمام پھیلي ھوئي شاخیں وھان اکٹھی ھوکر جڑ جاتیں - ھر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی ' ھر نہر اُس سر چشمه سے سیراب ھوتی - ھر ستارہ اُس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا - ھر دوري اُس سے قرب پاتی - ھر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی - ھر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگي حاصل ھوتی -

وھی مقام تمام اُمت کی تعلیم و ھدایت کیلیے ایک وسطی درسگاہ کا کام دیتا - وھی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ھوئی کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ھوتا - ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی ' پر اُسکا تنور کبھی نه بجھتا - ساری دنیا تاریک ھو جاتی' مگر اُسکي روشنی کبھی گل نه ھوتي - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باھمی جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزي کی دوزخ بن جاتی' پھر بھي ایک گوشۂ قدس ایسا رھتا جو ھمیشه امن و رحمت کا بہشت ھوتا' اور انسانی فتنۂ و فساد کي پرچھائیں بھی وھاں نه پڑ سکتی -

اُسکا ایک ایک چپه مقدس ھوتا ' اُسکا ایک ایک کونه خدا کے نام پر محترم ھو جاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوہ گاہ ھوتا - خونریز اور سرکش انسان ھر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکی فضاء مقدس ھمیشه پاک و محفوظ رھتی ' اور جب زمین کے ھر گوشے میں انسانی سرکشي اپنی مجرمانه خداوندی کا اعلان کرتی تو وھاں خدا کي سچي پادشاھت کا تخت عظمت و اجلال بچھہ جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُٹھان کا کیسا ھی سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ھوتا ' جہان خدا اور اُسکی صداقت کے سوا نه کسي خیال کي پہنچ ھوتي ' نه کسي صدا کی گونج اُٹھه سکتی -

جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ

فصل

(مرکز ارضی)

کوئی قوم زندہ نہیں رہسکتی ، جب تک اسکا کوئی ارضی مرکز نہ ہو - کوئی تعلیم باقی نہیں رہسکتی ، جب تک اُسکی ایک قائم و جاری درسگاہ نہ ہو - کوئی دریا جاری نہیں رہسکتا ، جب تک ایک محفوظ سر چشمہ سے اُسکا لگاؤ نہ ہو -

نظام شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسی ہی سے حاصل کرتا ہے - اُسی کی بالاتر جاذبیہ ہے جسنے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے ! اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونہا ، ثم استوی علی العرش ، و سخر الشمس و القمر ، کل یجری لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہی قانون الٰہی ہے جسپر اُسکی شریعت کے تمام جماعتی احکام مبنی ہیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کیلیے ہر طرح کے مرکز قرار دیے ، ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں ، اسلام نے اس غرض سے سر زمین حجاز کو منتخب کیا - یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کیلیے مرکزی سر چشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی - اور چونکہ سر زمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی ، وہی اسلام کا اولین موطن ، وہی اسکا سب سے پہلا سر چشمہ تھا ، اسلیے ضرور تھا کہ اسلامی مرکز کے قریبی گرد و پیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سر زمین بھی کہ حجاز کی " وادی غیر ذی زرع " کو گھیرے ہوے ہے ، اسی حکم میں داخل ہوگئی -

ذلک تقدیر العزیز العلیم !

و اذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا (۲۰۱۲۵) — اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امنا (۳ : ۹۷) — جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا ' اسکے لیے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں -

اور یہی علت تھی تحویل قبلہ کی - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی :

و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۵۰) — اور تم کہیں بھی ہو ' لیکن چاہیے کہ اپنا رخ اسی کی جانب رکھو !

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا ' تو تمام افراد قوم کیلیے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں ' رخ انکا اسی طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رہیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے ' ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری امت ' تمام کرۂ ارضی ' اور تمام اقوام عالم کو ' اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخشدی :

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸) — اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے !

فصل

(احکام شرعیہ)

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جائے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی ' امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس ' فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کیلیے مخصوص ہیں - اب آیندہ کوئی غیر مسلم اسکے

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں ' اور بکھر بکھــر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اڑتے ہیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑے - ٹھیک اِسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اسکی طرف دوڑتے' اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اس تک پہنچ سکتیں ' ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں -

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی - گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوے اس کی جانب دوڑتے ' تو اسکی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہو جاتی ' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھہ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اجڑ نہیں جا سکتا - دس ٹہنیاں کاٹ دی جائینگی ' تو بیس نئی نکل آئینگی - اسیطرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے ' تو اسکے بکھرے ہوے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتی - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹینگی اور نئی نئی زندگیاں ابھرینگی - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا ' اسی طرح انکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراہیمی کا کعبۃ اللہ ' اسکی سر زمین حجاز ' اور اسکا ملک جزیرۂ عرب ' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ :

جعــل اللہ الکعــبۃ البیت الحــرام قیـاماً للناس (۵ : ۱۰۰)	اللہ نے کعبہ کو کہ اسکا محترم گھر ہے ' انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا -

الا بعضهمْ لحقوا برسول الله فامنهم و اسلموا ' و اجلى يهود المدينة كلهم بني قينقاع و هم قوم عبد الله بن سلام و يهود بني حارثه ' وكل يهودي كان بالمدينه "

بخاري و مسلم ميں اس آخري اخراج كا واقعه بروايت حضرة ابو هريره مروي هے - آپ صحابه كو ساتھه ليكر يهوديوں كى تعليم گاه ميں تشريف ليگئے اور فرمايا " يا معشر اليهود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول كرو - نجات پاؤگے - پھر فرمايا " اعلموا ان الارض لله و رسوله و اني اريد ان اجليكم من هذه الارض ' فمن وجد منكم بماله شيئاً فليبعه ' و الا ' فاعلموا ان الارض لله و رسوله " ميں نے اراده كرليا هے كه تم كو اس ملک سے خارج كردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت كرنا چاهو تو كردو - ورنه جان ركھو كه اس ملک كى حكومت صرف الله اور اُسكے رسول هى كيليے هے -

جب آپ دنيا سے تشريف ليگئے تو دو مقام ايسے رهگئے تھے جهاں سے يهود و نصارا كا اخراج نه هوسكا تھا - خيبر اور نجران - پس آپنے وصيت فرمائي كه آينده جزيرهٔ عرب صرف اسلام كيليے مخصوص كرديا جاے - جو غير مسلم اس ملک ميں باقي رهگئے هيں ' خارج كردے جائيں - امام بخاري نے باب باندھا هے " اخراج اليهود من جزيرة العرب" اسميں پهلي روايت يهود مدينه كے اخراج كي لاے هيں جو اوپر گزرچكي - دوسري روايت حضرت ابن عباس كي هے - آنحضرة صلعم نے مرض الموت ميں تين باتوں كى وصيت فرمائي تھي - ايک يه تھي " اخرجوا المشركين من جزيرة العرب " حافظ ابن حجر لكھتے هيں " اقتصـــر على ذكر اليهود لانهم يوحـــدون الله تعالى الا القليل ومع ذلك امر باخراجهم ' فيكون اخراج غيرهم من الكفار بطريق اولى " (فتح الباري - ٦ : ١٩٣) يعنى امام بخارى نے عنوان باب ميں صرف يهود كا ذكر كيا - اسميں استدلال يه هے كه تمام غير مسلم اقوام ميں يهودي سب سے زياده توحيد كے قائل هيں - انكو خارج كيا گيا تو ديگر مذاهب كے اخراج كا وجوب بدرجهٔ اولى ثابت هوگيا - پس حاجت تصريح نهيں -

حضرة عمر كي روايت ميں " يهود و نصارى " كا لفظ هے " لاخرجن اليهود و النصارى من جزيرة العرب حتى لا ادع الا مسلما " رواه مسلم و احمد و الترمذي و صححه - ابو عبيده بن جراح سے امام احمد نے روايت كيا هے . " اخر ما تكلم به رسول الله صلعم اخرجوا يهود اهل الحجاز و اهل نجران من جزيرة العرب " حضرة عائشه كي روايت ميں اسكى علت بھى واضح كردي

قریب بھي نہ آنے پاے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں ' بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں - جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہي نہیں ہے' بلکہ تمام سرزمین حرم ہے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ہیں -

اور اسي طرح احادیث صحیحۂ وکثیرہ سے جو حضرۃ علي ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر' ابو ہریرۃ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرہم اجلۂ صحابہ سے مروي ہیں ' ثابت ہوچکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھي مثل مکہ کے حرم ہے' اور عیر و ثور اسکے حدود ہیں - " المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخـان - اور روایت سعد کہ " انی احـرم ما بین لابتی المـدینۃ ان یقطـع عضـاهـا او یقتل صیدها " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللهم ان ابراهیم حرم مکہ ' و انی احرم ما بین لابتیها " (۱) خدایا ! ابراهیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے - باقی رہا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی ' تاہم اسکا خالص اسلامی ملک ہونا ضروري تھا - تاکہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے -

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کی بھی ایک بڑي جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انھی کی ریاست تھي - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کی سرزمین خود آپکي زندگی ہي میں یہودیوں سے خالی ہوگئی - آخري جماعت جو مدینہ سے خارج کي گئی ' بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ہے " ان یہود بنی النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر واقر قریظہ و من علیهم ' حتی حاربت قریظہ' فقتل رجالهم وقسم اولادهم و نسائهم بین المسلمین

---

(۱) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواهد " میں لکھہ چکا ہوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلۂ خلافت ہے - یہ تذکرہ ضمناً آگیا ہے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

اُن کی نسبت یا تو بطریق پیشین گوئی کے خبر دیدی جاتی ہے - یا اپنے جانشینوں کو وصیت کردی جاتی ہے -

یہ معاملہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا - پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرۃ صلعم کی حیات طیبہ هی میں هوجاتا - آپ نے یہود مدینہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کردیا - یہود خیبر سے ابتدا هی میں شرط کرلی تھی کہ جب ضرورت هوگی ' اس سر زمین سے خارج کردیے جاؤگے - پھر تکمیل کیلیے اپنے جانشینوں کو وصیت فرمادی - چنانچہ حضرۃ عمر (رض) کے زمانے میں تکمیل کا وقت آ گیا - اور یہود خیبر نے طرح طرح کی شرارتیں اور نا فرمانیاں کرکے خود هی اس کا موقعہ بہم پہنچادیا - پس حضرۃ عمر نے اس وصیت کی تحقیق کی ' اور جب پوری طرح تصدیق هوگئی تو تمام صحابہ کو جمع کر کے اعلان کردیا - سب نے اتفاق کیا ' اور یہود خیبر و فدک خارج کردیے گئے - اسی طرح نجران سے بھی عیسائیوں کا اخراج عمل میں آیا - امام زهری نے ابن عتبہ سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے " ما زال عمر حتی وجد الثبت عن رسول اللہ انہ قال لا یجتمع بجزیرۃ العرب دینان ' فقال من کان لہ من اهل الکتابین عهد فلیات بہ ' انفذ لہ ' و الا فانی مجلیکم ' فاجلا هم " (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

امام بخاری نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک " میں درج کیا ہے ' اور ترجمۂ باب میں استدلال ہے کہ یہود خیبر کا تقرر پہلے هی سے عارضی و مشروط تھا - بالاستقلال نہ تھا - حافظ عسقلانی لکھتے هیں - حضرۃ عمر کے اجلاء کردہ اهل کتاب کی تعداد چالیس هزار منقول ہے -

پس صاحب شریعت کے قول و عمل ' اُن کے آخرین لمحات حیات کی وصیت ' حضرۃ عمر کے تفحص و تصدیق ' تمام صحابہ کے اِجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت هوگئی کہ اسلام نے همیشہ کیلیے جزیرۂ عرب کو صرف اسلامی آبادی هی کے لیے مخصوص کردیا ہے - الا یہ کہ کسی مصلحت سے خلیفۂ وقت عارضی طور پر کسی گروہ کو داخل هونے کی اجازت دیدے - اور ظاهر ہے کہ جب وهاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں ' تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانہ نگرانی و بالا دستی کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کیلیے جائز هوسکتا ہے ؟

ہے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دنیان "
رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ
عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ہی کیلیے مخصوص ہوجاے -
امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل
کیے ہیں اور مصمودی و غیرھم نے باب باندھا ہے " اخراج الیہود و النصاری
من جزیرۃ العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ہے : " کان من آخر
ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور
انبیائہم مساجد - لا یبقیان دینان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ہے
" لا یجتمع دنیان فی جزیرۃ العرب "

حضرۃ عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری "
جو نقل کیا ہے ' تو حضرۃ عائشہ سے صحیحین وغیرھا میں بطریق رفع بھی
ثابت ہے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجـــلاء الیہـــود "
کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں
" اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب
والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ہیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ
طرق بالا کے مسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں
بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے' اور سب کا مضمون متحد اور باھمدگر
اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں - ایک قسم اُن احکام کی ہے جنکا تعلق
افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے - جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض
و واجبات - دوسرے وہ ہیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور
اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے - جیسے فتح ممالک اور
قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی
زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر
اُنکی تکمیل کا اعلان کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ہونا ضروری
نہیں - بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت
مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفید پاتے ہیں - پس

حاصل سب کا یہی ھے کہ جزیرہ عرب وہ سر زمین ھے جسکے تین جانب سمندر ھیں اور شمالی جانب دریاے دجلۂ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ھے - اِس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کی کوئی نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرۃ لاحاطۃ الانہار و البحار' و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ' فظہر بناحیۃ قنسرین ' ثم انحط علی اطراف الجزیرۃ و سواد العراق ' حتی وقع فی البحر فی ناحیۃ البصرۃ و الابلہ ' و امتد الی عبادان ' و اخذ البحر فی ذلک الموضع مغرباً منعطفاً ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ھے کہ عرب اسلیے جزیرہ مشہور ھوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ھوا ھے - صورت اسکی یوں ھےکہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ھوا ' اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاھر ھوا - پھر عراق میں ھوتا ھوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وھاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ' اور قطیف و ھجر کے کناروں سے ھوتا ھوا عمان اور شحر سے گزر گیا - پھر حضرموت اور عدن ھوتا ھوا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ھوا جو مکۂ و حجاز کا ساحل ھے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ھوگئی - پھر سر زمین مصر شروع ھوتی ھے اور قلزم نمودار ھوتا ھے ' اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ھوتا ھوا سر زمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ھے ' اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ھوکر وہ جگہ آجاتی ھے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ھے - بحر احمر اور قلـــزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں - کیونکہ سوڈان سے دریاے نیل وھاں آ پہنچا ھے اور قلزم میں گرا ھے - یہی جزیرہ ھے جس سے عرب کی سر زمین عبارت ھے' اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشاء ھے - انتہی ملخصا - (جلد ۳ - ۱۰۰)

اس تفصیل سے واضح ھوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ھیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ھے - دھنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ھوا نمودار ھوتا ھے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

فصل

(جزیرۂ عرب کي تحدید)

باقي رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسي بحث و نظر کي ضرورت ہی نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئي سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحـــراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز- شارع نے " جزیرہ " کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اُس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کر رہا اور کر رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہي سمجھا جایگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے - یعني تین طرف بحـــر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریاے دجلہ و فرات -

فتح الباري وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " (۶ : ۱۱۸) اور اصمعی کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعنی بحر الہند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " (ایضاً)

نہایہ میں امام زہري کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالي دجلہ و الفرات " -

یہی قول ارباب لغۃ کا بھی ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الہند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستانی نے بھی (جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحي مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کي تھي) محیط المحیط میں بھي تعریف کي ہے -

جزیرۃ العرب
چھٹی صدی عیسوی میں
صحراء ربع الخالی
نجران
یمن
حضرموت
صنعاء
حدیدہ
مخا
عدن
خلیج عدن
بحر عمان
باب المندب
بحر احمر
حبش
7-8-1335

ہوا دجلہ میں ملجاتا ھے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ھیں -
فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ھے - اسي پر بغداد واقع ھے - خلیج فارس کے
مشرق میں ایران ھے اور مغربی ساحل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج
تنگ نائے ھرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ھے اور اسکے
بعد ھي بحر عمان نمودار ھوجاتا ھے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے -
پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے' بحر احمر شروع ھوگیا -
چونکہ اسکا مغربي ساحل افریقـــہ و حبش سے متصل ھے ' اسلیے قدیم
جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھی کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے چلے یمن
ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتی کہ سمندر کي شاخ پتلی
ھوکر طور سینا تک منتہی ھوگئی ' اور اسکے ساتھہ ھي خلیج عقبہ کي شاخ
نمودار ھوئی - اب مصر کی سر زمین شروع ھوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے
پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکرہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا
کردیا تھا - اسلیے صاحب معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا' جسکو اسی
درمیانی تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رھے ھو - وہ قاھرہ سے ھوتا ھوا
اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ھے - پس اگرچہ اس زمانے میں یہ ٹکرہ
خشک تھا مگر سمندر کي جگہ دریاے نیل کا خط آبی موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ھے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس
بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسی پر بیروت واقع ھے اور ساحل سے
اندر کی جانب دیکھوگے تو پھر وھی مقام سامنے ھوگا ' جہاں سے دریاے
فرات نمودار ھوکر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکرہ ھے جو اس تمام بحري احاطہ کے اندر
واقع ھے - صرف خشکی کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر
آتا ھے - یعني سرحد شام - یہی مثلث ٹکرہ جزیرۂ عرب ھے - قدیم و جدید
جغرافیہ نگار ' دونوں اس پر متفق ھیں -

اس سے معلوم ھوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ھونے میں
سب سے زیادہ اھم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ھے - کیونکہ اگر یہ عرب کے
حدود سے کوئي متصل تعلق نہیں رکھتے ' تو پھر اس کی ایسي صورت ھی
باقي نہیں رھتی جس پر جزیرہ کا اطلاق ھوسکے - یعني شمال کی جانب بالکل
خشک رھجاتي ھے - یہی وجہ ھے کہ جس کسي نے عرب کي تعریف کي'

احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھي صاف کہدیا کہ شمالی حد دجلہ ہے - نہایہ ' معجم البلدان ' اور فتح الباري میں اصمعي کا قول منقول ہے " من اقصی عـــدن ابین الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ و ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرمانی نے کہا " هي ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ الی الشام عرضاً " یہي قاموس میں ہے - ایسا هي ابن کلبي سے مروي ہے - رفاعہ بک طهطاوي نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کرکے عربي میں " تعریفات الشافعه لمرید الجغرافیه " لکھی - اسمیں بھي یہی حدود هیں - پس صاحب معجم کي تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت هو گیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا هوا ہے - اس کی حد شمال میں دهنی جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہي حدود بتلائے جاتے هیں - پچھم میں بحر احمر' جنوب میں بحر هند' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے هوے لکھا ہے: " ای انها اسفل ارض العرب " (جلد ۶ ' ۱۳۳) یعنی عراق اسلیے نام هوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے - اس سے بھي ثابت هوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ هوگا -

هم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے هیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے - یہ نقشہ در اصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۵۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ویسٹن فیلڈ (Ferdinand Wustenfeld) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی هیں جو چھٹی صدي عیسوي میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں -

حتی المحاریب تبکي وهي جامدة　　　حتی المنابر ترثی وهي عیدان !
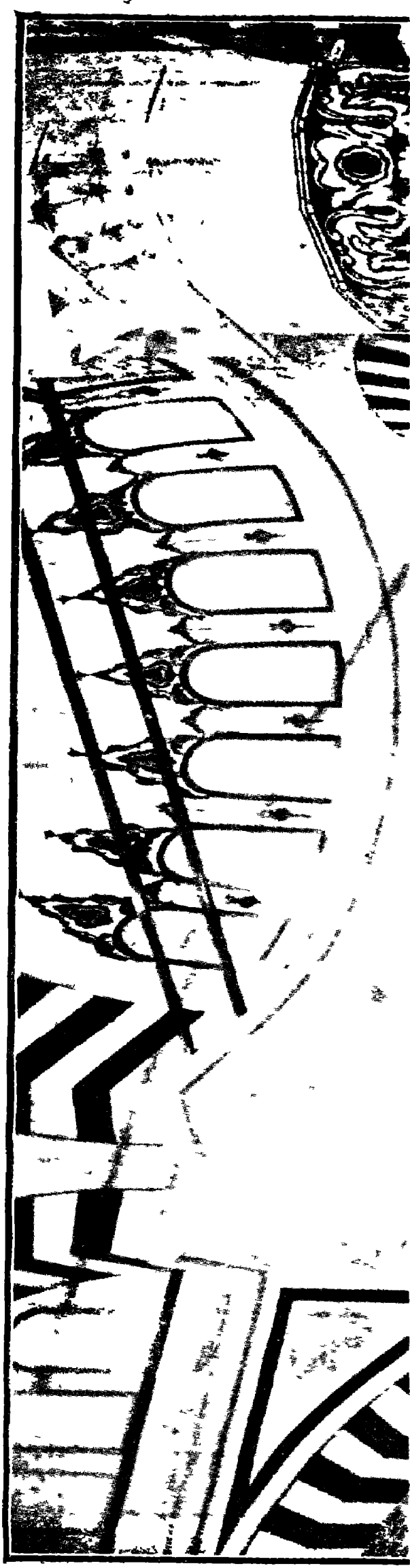
ادریانوپل کی جامع مسجد

جو بقیه یوروپین ترکي میں اسلام کی آخري متاع عزت تهی اور یونان کے سپرد کردي گئي !

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھہ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ، ان الارض یرثھا عبادی الصالحون - ان فی ھذا لبلاغاً لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (۲۱ : ۱۰۵)

حضرۃ ابن عباس وغیرہ سے مروی ھے کہ اس آیت میں " الارض " سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ھے - اسمیں خبر دی گئی تھی کہ اب وھاںکی پادشاھت مسلمانوں کے حصے میں آئیگی - اسی لیے کہا : ان فی ھذا لبلاغا الخ -

یہی وجہ ھے کہ مسلمانوں نے ھمیشہ اس سر زمین کی خدمت و وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا ، اور اسکی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رھے - یہی اعتقاد دیدی تھا جسنے مسیحی جہاد کی اُن آتھہ لڑائیوں کو کامیاب ھونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کی طاقت اکٹھی ھوگئی تھی ، حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت کے عروج کا نہ تھا - تنزل و انحطاط کا تھا ، اور تمام عالم اسلامی مختلف حکومتوں میں متفرق ھوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وھاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رھی ھے ، اور ھمیشہ خود یورپ نے مسیحی دنیا کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ھے - پس اگر آج پھر ارمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز) کی تاریخ دھرائی جائیگی ، اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جائیگی ، تو مسلمانان عالم کیلیے ناممکن ھوگا کہ خاموش رھسکیں - اُنکا فرض ھوگا کہ جب گذشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دھرایا گیا ھے ، تو دوسرا حصہ بھی ظھور میں آجاے - وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ھے - اُنکا مقدس اولین قبلہ ھے - اسکی مذھبی وابستگی اُنکے ایمان و مذھب کا جزء ھے - اگر وھاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ھے ، یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ھے ، تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ھی کو نہیں بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دینا ھے ، اور مسلمانوں کو مجبور کردینا ھے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کرلیں ، یا اسکی اطاعت و حمایت سے دست بردار ھو جائیں -

فصل

(مسجد اقصیٰ و ارض مقدس)

مقامات مقدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اسکی سر زمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے - اُن میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ہے ' اُسیطرح بیت المقدس کا بھی - بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے :
" لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد · المسجد الحرام ' و مسجدي ھذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اہتمام کرنا نہیں ہے مگر ان تین جگھوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں ' اور انھی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انکي زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں ' سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں اُنکے لیے بڑا ہی اجر ہے -

یہی وجہ ہے کہ جمہور آئمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کي زیارت کی نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا اسی طرح واجب ہوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگھوں کے علاوہ اگر کسي دوسري زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا - اسی بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ بیت المقدس کی سر زمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا اہم درجہ رکھتي ہے ؟

یہی وہ مقدس سر زمین ہے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالاخر وعدہ پورا ہوکر رہا - لیکن وہ اسکے اہل ثابت نہ ہوے ' اور دنیا کي حکومت و عزت کے ساتھہ یہاں کي پادشاہت بھی اُن سے چھین لي گئی - پھر مسیحي دور شروع ہوا - اسکے بعد مسلمان وارث ہوے - قرآن حکیم نے

اسلام کی جگہ جاھلیۃ مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی ' یا انکے دشمنوں کا ساتھہ دیا ' اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(۵) صرف خلیفۂ اسلام ھي کے لیے یہ حکم مخصوص نہیں ھے - جب کبھي مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائی ھو ' تو کسي مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھي ھوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکي مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا " اور نص قرانی من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جھنم خالداً فیھا وہ اسلامي جماعت سے خارج ھو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ ھے -

(۶) جب کسی اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں ' یا اُنکی آزادي و خود مختاري کو کسی دوسري طرح نقصان پہونچانا چاھیں ' تو ھر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُنکي مدد کرنا ' اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا ' فرض ھو جاتا ھے - علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور ھوں ' اور ان کے مقابلہ کي کافی طاقت اُن مسلمانوں اور وھاں کي اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جہاد کی فرضیۃ علی الکفایہ نہ ھوگی - مثل نماز روزہ کے فرض عین ھوگی -

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باھر ھو ' اور بلا تمام مسلمانان عالم کي فوري مدد و نصرت کے اسلامی ممالک کي حفاظت نہ ھو سکے ' تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا بہ یک وقت فرض ھوگا کہ جس طرح بھي ممکن ھو ' اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور ھوں -

(۸) اسلام کا حکم شرعی ھے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جاے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھي داخل ھے - پس اگر کوئي غیر مسلم حکومت اس پر قابض ھونا چاھے ' یا اُس کو خلیفۂ اسلام کي حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاھے ' تو یہ صرف ایک اسلامی ملک کے نکل جانے ھي کا مسئلہ نہ ھوگا ' بلکہ اُس سے بھي بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ھو جائیگي - یعنی اسلام کی مرکزي سر زمین پر کفر کا اثر چھا رھا ھے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

(خاتمۂ سخن)

فصل

(نتائج بحث)

گذشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفۂ و امام ہونا چاہیے - " خلیفہ " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان پادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور اُنکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوری طرح طاقتور ہو -

(۲) اُسکی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے - اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے - تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہو - جو مسلمان اسکی اطاعت سے باہر ہوا ' وہ اسلامی جماعت سے باہر ہوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابلہ میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وہ اسلام سے باہر ہوگیا ' اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو -

(۳) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وہ باغی ہے - اسکو قتل کردینا چاہیے -

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے - جو انکی اطاعت سے باہر ہوا ' اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اس اعلان جنگ کی اطلاع جب سرکاری طور پر هندوستان میں مشتہر کی گئی ' تو ساتھہ هی حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا :

(۱) ترکی حکومت کے ساتھہ همارے جنگ دفاعی هے - نه که حمله آورانه - هم نے دو ماہ تک هر طرح کا مخالفانه اور جنگ جویانه سلوک برداشت کیا ' اور پوری کوشش کی که کسی طرح یه جنگ ٹل جاے ' لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے - اب مجبوراً هم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا هے -

(۲) هندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بھروسه رکھنا چاهیے که اس جنگ میں همارے یا همارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسی نه هوگی جو انکے مذهبی محسوسات کو صدمه پہونچاے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رهینگے جن میں عراق بھی داخل هے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جاے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نه آئیگی - همارے جنگ موجودہ ترکی وزارت سے هے جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رهی هے - خلیفة المسلمین سے اور اسلام سے نہیں هے - گورنمنٹ برطانیه نه صرف اپنی جانب سے بلکه اپنے تمام حلیفوں کی جانب سے اِن باتوں کی ذمه داری لیتی هے -

یه خلاصه اُس سرکاری اعلان کا هے جو پہلی نومبر سنه ۱۹۱۴ کو اعلان جنگ کی اطلاع کے ساتھہ هی گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا ' اور پھر تمام صوبوں میں سرکاری طور پر اسکی اشاعت کی گئی تھی - حتی که هر کمشنری ' هر ضلع ' هر صدر مقام ' هر شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکی نقلیں بانٹی تھیں اور زبانی بھی پڑھکر سنایا تھا - برٹش انڈیا کا کوئی مسلمان گھر ایسا نہیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا هو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیرہ اخبارات سے معلوم هوا که مصر و سوڈان میں بھی بجنسه یہی اعلان شائع کیا گیا تھا -

اس اعلان کے بعد بھی همیشه ذمه دار حکام هند و انگلستان کی زبان سے یه دونوں باتیں بار بار ظاهر هوتی رهیں - اگر کسی اظہار و بیان کی مضبوطی میں اعلان کی تکرار و اشاعت کی کثرت و وسعت کو دخل هے ' تو بلا خوف رد کہا جاسکتا هے که جسقدر کثرت و تکرار کے ساتھہ یه اعلان شائع کیا گیا ' شاید هی کوئی انسانی وعدہ اسقدر دهرایا گیا هو -

اولین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اُٹھہ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

(۹) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے آٹھہ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کر چکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ و اقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ نہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو- "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

و تلک عشرۃ کاملہ -

(خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ)

جب کہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے ' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اُٹھا : نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ ! پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی - یعنی خلیفۃ المسلمین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے بر خلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدی کی تہذیب میں حکومتوں کیلیے شریف ہونا چندان ضروري بات نہیں ہے ' اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقي صداقت کے مطالبہ کا وہم و گمان بھی نہیں کرنا چاہیے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کی پابندي کمزور حکومتوں کے ساتھہ ضروري نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم و بے سرو سامان رعایا کے ساتھہ کیوں ضروري سمجھی جاے ' جو اپنی وفاداری میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زبانی میں اسی کی طرح بے بس بھی ہے ؟

انگلستان کی حکومت نے نپولین کے عہد سے لیکر آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے ' انکي عبرۃ انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے -

برطانی وعدوں کے اعتماد اور آنکے ایفاء کی اخلاقي نمائش کا یہ پہلا ہي موقعہ نہیں ہے - ١٥ - جولائی سنہ ١٨١٥ع کو جب نپولین نے بلرافان نامی انگریزي جہاز پر قدم رکھا تھا تو اس نے بھی انگلستان کے وعدوں پر اعتماد ھی کیا تھا - کچھہ بے اعتمادي نہ کي تھي - لیکن خود اسی کے لفظوں میں " انگلستان نے ہاتھہ بڑھاکر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آگیا تو اسکا خاتمہ کردیا "

سینٹ ہلینا کي سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزي مواعید کی اخلاقي قدر و قیمت کا اعلان کر رھي ھیں !

٤ - اگست سنہ ١٨١٥ کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامہ کو فرانسیسیوں نے عہد نامہ سمجھا جس پر انگلستان کے نامور ہیرو ڈیوک آف ولنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انھوں نے بھی انگلستان پر اعتماد ھی کیا تھا - لیکن قبضہ کے بعد جو نتیجہ نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصلہ صادر ہوچکا ہے ' اور خود انگریز مورخوں کی زبانی اسکا افسانۂ خونیں سن لیا جاسکتا ہے -

خود ہندوستان کے گذشتہ سو سالوں کي تاریخ ھي اسکے لیے کافی ہے - دوسرے ملکوں کي سرگذشتوں کي طرف نظر اٹھانے کي ضرورت کیا ہے ؟

شمشاد خانہ پرور ما از کہ کمتر ست ؟

یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگی کیلیے لاکھوں سپاہیوں اور توپوں کی جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکی کامیابی کی ضرورت تھی - اگر اسوقت ھندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا ھوجاتی ' تو نہیں معلوم جنگ کی تاریخ کسقدر پلٹا کھاتی ' اور آج نتائج کا کیا حال ھوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وھی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان ھند پر صورت حال مشتبہ ھوگئی - نادان و حیلہ جو علماء اس خیال میں پڑگئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا ھے' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ھے بلکہ حملۂ و ھجوم کی ھے' اور اسلیے اسکی شرکت فرض کفایہ کا حکم رکھتی ھے - نہ کہ فرض عین کا - پس شرعاً ضروری نہیں کہ مسلمانان ھند بھی اسمیں حصہ لیں - عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کر رھی ھے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کی حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ھے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعنی جزیرۂ عرب اور بیت المقدس و غیرہ ھر حال میں محفوظ رھینگے - ان تمام باتونکا نہ صرف انگلستان کی جانب سے وعدہ کیا جاتا ھے' بلکہ تمام حلیف حکومتوں کی جانب سے بھی -

نہایت افسوس اور روسیاھی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا ھے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذھبی فیصلہ صحیح تھا - نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انھوں نے اپنی سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید ھی کوئی ایسی قومی و مذھبی غلطی کی ھوگی ' جیسی اس موقعہ پر کی ' اور جسکے نتائج کی پہلی قسط آج انکے سامنے ھے - " و ما تخفی صدورھم اکبر "

فما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون !

تھوڑی دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کی بنا پر یہ راے کہانتک صحیح تھی ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا ' انکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کی طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹی بھی اشخاص

ضروری سمجھتی ھے کہ ایفـاے عھـد میں اپنے تئیں

احکام شرعیہ اوپر گذر چکے ھیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ھوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف وھی حملہ آورانہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار ھو رھا ھے ' تو نتائج حسب ذیل ھونگے ·

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی ھے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ اُنکی جانب سے ھے - انگلستان و حلفاء کی جانب سے نہیں ھے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس ھے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ھیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض ھو رھی ھیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ھیں - پس اگر اس حالت میں تبدیلی نہ ھوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رھا ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا ھو جائیگی جب جہاد ھر مسلمان پر فرض عین ھو جاتا ھے - حملۂ و ھجوم کی صورت نہ ھوگی کہ فرض علی الکفایہ ھو - لہذا ھندوستان کے ھر مسلمان کا یہ شرعی فرض ھوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا ھو ' جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رھی ھے -

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی ' مگر چار سال کی جنگ اور اسکے نتائج نے آخری درجۂ یقین تک ظاھر کردی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافی ھے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی - یعنی وہ شکست کھا چکے ھیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباھی غایت درجۂ ھلاکت تک پہنچ چکی ھے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھی مسلمانان ھند کا فرض شرعی ھوگا کہ انکی مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ھوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ھونا فرض ھوجاتا ھے -

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاھتے ھیں ' یا کرچکے ھیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' ایشیاے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ھوسکے ' اور اسکی اعانت کی وجہ سے مسلمانان ھند بری الذمہ ھو جائیں - پس اس بنا پر بھی ساری شرعی

تاہم بدبخت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کي طرف سے مطمئن ہوگئے - اُنکا روپیہ ' اُنکی جانیں ' اُنکے ملک کي تمام قوتیں ' بے دریغ خرچ کي گئیں - دنیا کی آخری اسلامي حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکي ہر چیز نے پورا پورا کام دیا - یہانتک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئي ' اور وہ فتح مندي مکمل ہوگئي جسکا پہلا نتیجہ اسلامي خلافت کي بربادي و تباہی ہے -

اثناء جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہوگئے تھے - بغداد پر انگریزي فوج قابض ہوگئی تھي جو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین میں داخل ہے - عین حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائی گئی اور اسکی وجہ سے جسقدر توہین اس مقدس مقام کي ہوني تھي وہ ہوکر رہی - پھر بھی مسلمانان ہند اپنے اعتماد سے دست بردار نہ ہوے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں - صلح کے بعد ہی برطانی اعلان و مواعید کي مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائیگي -

فصل

(موجودہ و آئندہ حالت اور احکام شرعیہ)

بحث کے اس ٹکڑہ کو ہم دانستہ حذف کردیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا ؟ نہ ہم اُن پیہم اعلانات کا یہاں ذکر کرینگے جنکا سلسلہ برابر اثناے جنگ میں بھی جاری رہا - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں - اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلادے ' انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

ہمکو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے - اسکے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لیے سونچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے - نہ گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجودہ و آیندہ حالت کا سوال ہے -

نتیجه ہے کہ ہندوستان میں ہر قوم کی طرح مسلمان بھی روز مرہ اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں - انکی مسجدیں قائم ہیں - پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں - کوئی حاکم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو -

لیکن اگر برٹش گورنمنٹ بلاد اسلامیہ کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رہی ' اسکے جہاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رہے ' اُسکی فوجیں عراق کی سر زمین پر قابض رہیں جو مقدس جزیرۂ عرب میں داخل ہے ' اور ساتھ ہی وہ اس کی بھی متوقع رہی کہ ہندوستان کے بد بخت مسلمان اسکے وفادار بنے رہیں ' تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ مسلمانوں کو انکے مذہب کے چھوٹے چھوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کیلیے طیار ہے ' لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور ان بڑے حکموں میں داخل ہیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نہیں رہتا ' اُنکے لیے چاہتی ہے کہ حق و آزادی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں ' اور برطانیہ کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی ہو جائیں !

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے کہ نماز پڑھیں جو مذہبی احکام میں شاخ کا حکم رکھتی ہے ' لیکن ساتھ ہی اسلامی خلافت و امامت درحملہ آزر بھی ہے جو شاخ نہیں بلکہ بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل ہے ؟

وہ نماز پڑھنے میں مداخلت نہیں کریگی جس کے نہ پڑھنے سے مسلمان گناھگار ہو جاتا ہے ' لیکن خلیفۃ المسلمین کو اُنکی حکومت و مملکت سے محروم کردیگی جنکی مدد نہ کرنے سے مسلمان گناھگار ھی نہیں بلکہ اسلامی جماعت سے باھر ھو جاتا ہے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتی کیونکہ انکا مذھبی عمل ہے - لیکن وہ خلیفۃ المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگی کہ اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حوالہ کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اُٹھینگے تو کہیگی کہ یہ بغاوت ہے - پھر کیا دفاع مسلمانوں کا مذہبی عمل نہ ہوگا ؟ اور کیسا مذھبی عمل ؟ ایسا عمل کہ شرعا ہزاروں حج سے بڑھکر - حج اس کے لیے چھوڑ دیا جا سکتا ہے ' لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چھوڑا جا سکتا -

ذمہ داري مسلمانان هند هي کے ذمے عائد هوتي هے ' جنکي تعداد دنیا کي تمام اسلامي آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سي باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے هیں -

(۴) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل هے - پس اگر انگریزي قبضہ وهاں قائم رها ' یا کسي طرح کا بھی انگریزي اقتدار حکم برداري اور نگراني کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیر مسلم اقتدار هوگا ' اور از روے شرع مسلمانان هند کا فرض هوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل هے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح هندوستاني مسلمانوں کا بھی فرض هوگا کہ دفاع کیلیے مستعد هوجائیں -

(۶) غرضکہ هندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہري کی زندگي بسر کرنا شرعاً ناجائز هوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑي کشمکش هوگی جسمیں کوئی انساني جماعت مبتلا هو سکتی هے - یعنی بموجود ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روے شرع یہ هوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کي حملہ آور دشمن هے ' اور اسلیے اس سلوک کی مستحق هے جو از روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاهیے " جب ایسا هوا ' تو مسلمان مجبور هونگے کہ دو راهوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں ' یا اسلام کا - یہ ناممکن هوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئي عاقبت اندیشانہ فعل هوسکتا هے ؟ فرصت کي آخري گھڑیاں گزر رهی هیں - اگر عارضي فتح مندي کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

اگر انگلستان کے وزرا (نپولین کے لفظوں میں) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے ' تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاهیے جسکو هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادي اصول سمجھا جاتا هے - یعني کامل مذهبي آزادي کا وعدہ - اسی وعدہ کا

ترک و اختیار

فصل

(ترک موالات)

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار ' دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں ' ترک کردینی پڑینگی -

" اختیار " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے ' کرنی پڑینگی -

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں ' اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردینا جو معدت' خدمت' اور اعانت پر مبنی ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا ' تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک انہی غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کردی ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں ' نہ اُن کی آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں ' حملہ آور ہیں ' اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

مسلمان ہندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندرکی نمازوں کو لیکر کیا
کرینگے جنکی اجازت دیدینے پر برٹش گورنمنٹ کی آزادی کو ناز ہے ' جبکہ
شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکی تعمیل ہزار نمازوں سے
بھی بڑھکر اور ہزار روزوں سے بھی اشد و اہم ہے ' اور جنکی نا فرمانی کے
بعد نہ تو اُنکی نمازیں ہی اُن کے لیے سود مند رہینگی - نہ اُن کے روزے
ہی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟

بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسی طرح سورۂ عمران میں ہے لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یالونکم خبالا - ودوا ماعنتم ' قد بدت البغضاء من افواههم ' و ما تخفي في صدورهم اکبر - (۳ : ۱۱۸)

یہاں ضمناً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھہ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیے ؟ سو معلوم ہوگیا کہ قران کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں - پس ان کے ساتھہ بر و احسان اور نیکی و ہمدردي کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی - آجتک انہوں نے نہ کبھي اسلامي ممالک پر حملہ کیا ' نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ' نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوے -

فصل

(واقعۂ حاطب بن ابي بلتعہ)

سورۂ ممتحنہ کے شان نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا ہي عبرت انگیز ہے -

بخاری و مسلم میں حضرت علي سے مروي ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے - آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھکر مکہ میں اطلاع دیدینی چاہی - وحي الہی سے آنحضرت اسپر مطلع ہوگئے اور راستے ہی میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی " ما فعلت هذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیجدیا تھا - میری نیت بری نہ تھی - حضرة عمر نے چاہا کہ انہیں قتل کردیں اور کہا . " انه منافق - قد خان الله و رسوله " یہ منافق ہے - اس نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھہ خیانت کي !

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے - اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ہے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا - ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ہے ' لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے ' یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے ' تو یہ گناہ نہیں ہے نفاق ہے - اور منافق مومن نہیں ہے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے : لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ' ان تبروہم و تقسطوا الیہم ' ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہا کم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم عن دیارکم و ظاہروا علی اخراجکم ' ان تولوہم ' و من یتولہم فاولئک ہم ' الظلمون - [۶۰ : ۱۰]

اور اسی سورۂ کے اوائل میں فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ' تلقون الیہم بالمودۃ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ الخ مسلمانو ! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں ' اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ہے : لا تتخذوا الیہود و النصاری اولیاء ' بعضہم اولیاء بعض - و من یتولہم منکم فانہ منہم (۵ : ۵۴) اُن یہود و نصاری کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں ' اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ' خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنہی میں ہوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۲۸) اور لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (۴ : ۱۴۳) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو ' تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ہے ' اس نے واضح کردیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے '

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المومنین ، ایبتغون عندھم العزۃ ؟ فان العزۃ للہ جمیعا ! (۴ : ۱۳۸)

جو مسلمان ، مسلمانوں کو چھوڑ کر انکے مخالف غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رھے ھیں ، تو کیا وہ چاھتے ھیں کہ اُنکی بارگاھوں سے عزت حاصل کریں ؟ اگر عزت ھی کی طلب ھے تو یاد رکھیں کہ اصلی عزت دینے والے وہ نہیں ھیں - عزت اللہ کیلیے ھے اور ایک مسلمان کو ملسکتی ھے تو اسی کی چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ھیں ، جن میں آج ھمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ھیں - اُن کا حال یہ ھوتا ھے کہ ایک ھی وقت میں اسلام و کفر ، دونوں سے ساز باز رکھنا چاھتے ھیں - یعنی وہ چاھتے ھیں کہ مسلمان بھی رھیں ، اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاری رھے - مذبذبین بین ذالک - لا الی ھا اولاء ، و لا الی ھا اولاء (۴ : ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا : یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین - اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (۴ . ۱۴۳)

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ ، بھائی بہن ، مسلمانوں سے لڑ رھے ھوں ، تو اُن سے بھی کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ، و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں ، خواہ وہ اُنکے ماں باپ ھی کیوں نہوں ، اُن کے مومن ھونے کی صاف صاف نفی کر رھا ھے :

لا تجد قوما یومنون با اللہ و الیوم الاخر ، یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آبائھم (۵۸ : ۲۲) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ھیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ھونا چاھیے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دیے ھوے خطابوں سے پیار کر ینگے ، اُن کے دیے ھوئے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشی ھی کے صلے میں ملے ھیں) اپنے سینوں پر جگہ دینگے ، اُنکی بارگاھوں میں جاکر اطاعت و تعبد

اسپر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا :

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ ، و قد کفروا بما جاء کم من الحق -	مسلمانو ! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے اُنسے تعلقات رکھو - یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام سے انکار کرچکے ہیں ، اور اللہ اور اسکے دین برحق کے دشمن ہیں -

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑی ہی عبرت ہے - حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین و بدر یین میں سے تھے - انھوں نے صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا - دشمنان اسلام کی مدد کرنا مقصود نہ تھا - اسپر بھی اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا ، اور حضرۃ عمر قتل کردینے کیلیے اُٹھے کہ یہ منافق ہے - غور کرنا چاہیے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت ، مخالف و محارب فریق کے ساتھہ اتنا تعلق بھی گوارا نہیں کیا گیا ، تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہونا چاہیے جو برٹش گورنمنٹ کے محارب فریق ہوے پر بھی ، ہر طرح کی محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھہ رکھتے ہیں - اور جنکا ابتک یہ حال ہے کہ اُسکے درباروں کے دیے ہوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کر دینا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ہے ؟

علی الخصوص اُن مدعیان علم و تقدس کا حال قابل تماشا ہے جنکو اُنکی بارگاہوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں اسلام کی دینی ریاست کا اولین حقدار اور مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی کا سب سے زیادہ مستحق ظاہر کرتے ہیں - یا سبحان اللہ ! مسلمانوں پر اُنکی قومی بدبختی کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا ہے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکی کتاب قطعاً منافق قرار دے رہی ہو ، اور جو اللہ کے نزدیک اسکے بھی حقدار نہوں کہ مسلمانوں کی صف میں جگہ پائیں ، اُنکو مسلمانوں کی ریاست و پیشوائی کا دعوی ہو ، وہ مسلمانوں کی بڑی بڑی درسگاہوں کے مالک ہوں جہاں صبح شام قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رہتا ہو ، اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بہت سے مسلمان ہوں جو انکی پیشوائی کو جان و دل سے مان رہے ہوں ، اور اُنکے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رہے ہوں !

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن !

امام بخاري کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ھے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسي طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکي بیویوں تک کو تعلقات زوجیۃ رکھنے کی اجازت نہ تھی - بالاخر یہ حالت ھوگئی کہ " ضاقت علیھم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ھوا کہ جب کبھی اسلام اور امت کی حفاظت اور دفاع کا وقت آ جاے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ھونا ضروري ھو' تو جس مسلمان کی طرف سے اسمیں سستی و کاھلی ھو' یا انکار و تخلف ھو' اُسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ھے' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ھے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اُسکے ساتھہ وھي سلوک کریں جو اُن تینوں شخصوں کے ساتھہ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں' کوئی مسلمان اُن سے کسی طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب اُن مسلمانوں کیساتھہ یہ سلوک جائز ھوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستی و کاھلی کے اور کچھہ نہ تھا' تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھہ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں' اور دفاع اسلام کی سعی و تدبیر میں شامل ھونے سے صاف صاف انکار کردیں' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ھوگا' بلکہ یقیناً واجب و لازم ھوگا -

ابن ابی حاتم نے امام حسن بصري کا کیا خوب قول نقل کیا ھے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ھا ولاء الثلاثۃ مالاً حراماً ' و لا سفکوا دماً حراماً ' و لا افسدوا فی الارض ' اصابھم ما سمعتم ' و ضاقت بھم الارض بما رحبت ' فکیف بمن یواقع الفواحش و الکبائر ؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ھیں " و فیھا ترک السلام علی من أذنب و جواز ھجرہ أکثر من ثلاث - و اما النھی عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ھجرانہ شرعیا " (۱) یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ھوتی ھے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ھے اور تین دن سے زیادہ

---

(۱) امام بخاري اپني عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لاے ھیں - باب متذکرۂ متن کتاب الاحکام کا آخري باب ھے ' اور مفصل حدیث کتاب المغازی میں ھے - کتاب المغازي کی شرح میں حافظ موصوف کي یہ عبارت ملیگي - (جلد ۸ - ۹۴)

کا سر جھکائینگے ' اور آہ ' ان سب سے بھی بڑھکر رہ ' جو انکی راہوں میں غلاموں کي طرح بچھینگے ' انکے حکموں پر کتوں کی طرح لوٹینگے ' انکی خدمت و چاکري کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے ؟ فیا للہ و للمسلمین ! من ہذہ الفاقرۃ التی ھي اعظم فواقر الدین ' والرزیۃ التي ما رزي بمثلہا سبیل المومنین !

لمثـــل ھذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اســـلام و ایمان !

فصل

هل للامام ان یمنع المتخلفین والقاعدین من الکلام معہم و الزیارۃ و نحوہ ؟

ایک اہم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفہیم ' محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں ' اور انکی مودت و اعانت سے باز نہ آئیں ' انکے ساتھہ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے ؟

حضرۃ کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ہے - اس موقعہ پر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں ' اور دشمنان ملت کے دفاع میں با وجود استطاعت حصہ نہ لیں ' ایسے بھی مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاہیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے " ھل للامام أن یمنع المجرمین و اھل المعصیۃ من الکلام معہ و الزیارۃ و نحوہ ؟ " یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ جو لوگ شرعي جرائم کے مرتکب ہوں ' انسے ملنے ' بات چیت کرنے ' اور اسي طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے ؟ اور پھر اسمیں حضرۃ کعب بن مالک کی روایت درج کی ہے - گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے ' اور زجر و تنبیـــہ اور عبرت پذیري کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہوگا -

سزا اسلیئے دی گئی کہ انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کی حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا - اُنکو دوسروں سے کہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھی - اسمیں کوتا ھی ہوئي تو مستحق تعزیر ہوے -

ہم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ھے کہ یہ شبہہ جسقدر تعجب انگیز ھے ' اس سے کہیں زیادہ ان اکابر اعلام کے جوابات و تعلیلات تعجب انگیز ھیں - سخت حیرانی ھوتی ھے کہ ایک نہایت صاف و واضح معاملہ کی نسبت کیوں اسقدر غیر ضروری کاوشیں کی گئیں ' اور کیوں اصلی علت سامنے نہ آگئی ؟

حضرت ھلال اور مرارہ کا بدري ھونا مسلم ھے - بخاری کی روایت میں خود حضرۃ کعب کہتے ھیں " رجلین صالحین قد شہدا بدرا " اور حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ اور اس معاملہ میں کسي طرح کی منافات نہیں ھے - دونوں معاملے اپني اپنی جگہ ٹھیک ھیں - اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب ہوا ' انھوں نے حکم دفاع کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی - اگر اسپر غور کرلیتے تو یہ شبہہ پیدا ھي نہ ھوتا - نہ ان کمزور توجیہوں کی ضرورت پیش آتی -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کی ھے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و ھجوم کی ھے - پہلی حالت میں اگر جنگی احکام کی تعمیل میں سستي و کاھلی ھو ' تو اُس درجہ سنگین نہیں ھوتي جسقدر دوسري حالت میں - پہلی حالت اندرونی امن کی ھے - دوسري بیرونی حملہ و جنگ کی - جنگ و دفاع کی حالت میں ایک ذرا سي سستی اور کاھلی بھی اتنا بڑا جرم ھوتی ھے کہ اسکي پاداش میں موت کی سزا کو بھي سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسی بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کی قرار دي ھے - دوسري حالت " دفاع " اور نفیر کی بتلائی - جب کسي دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کردیا ھو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کي حالت پیدا ھوگئی ھو ' تو وہ حالت دفاع کی ھے -

حاطب بن ابي بلتعہ کا واقعہ یہ ھے کہ مدینہ میں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اُسوقت حملہ کا خوف نہ تھا - خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے - کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا -

اُن سے ترک تعلق کیا جا سکتا ہے - باقي رهی حدیث - " لا یحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث" یعني کسي مسلمان کیلیے جائزنہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائي مسلمان سے جدا رہے - تو اُس سے مقصود وہ جدائی ہے جو بلا سبب شرعي ہو' اور اس واقعہ میں جدائی کا حکم جرم شرعی کے ارتکاب کی بنا پر ہوا - پس زیادہ عرصہ تک ترک علائق جائز ہے -

حافظ ابن قیم نے بھی ھدي میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ہے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کي ہے -

فصل

(ایک شبہ اور اُسکا ازالہ)

بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک شبہ دورکردیا جاے جو اس معاملہ کی نسبت ہوا ہے اور ہوسکتا ہے - حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " استدل بعض المتاخرین لکونهما لم یشهدا بدرا بما وقع في قصة حاطب' و ان النبی صلعم لم یهجرہ و لا عاقبه مع کونه جس علیه بل قال لعمر لما هم بقتله : لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لکم . قال - و این ذنب التخلف من ذنب الجس ؟ " یعني بعض متاخرین نے اس سے انکارکیا ہے کہ مرارہ بن ربیع اور ھلال بن امیہ شہداء بدر میں سے تھے - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو انکو یہ سزا نہ دي جاتي - حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط وکتابت کي اور وہ جرم بڑا ھی سخت جرم تھا - یعني جاسوسی کا تھا - اسپر بھی بوجہ بدري ہونے کے آنحضرہ نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتھہ ترک تعلق کا حکم نہیں دیا - کعب اور اُنکے ساتھیوں کا اس سے بڑھکر تو قصور نہ تھا ؟ پھر اتنی بڑي سخت سزا انکو کیوں دي گئي ؟ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاطب کی معافی اُنکے بدري ہونے کي وجہ سے تھی' اور یہ لوگ اسلیے ماخوذ ہوے کہ بدری نہ تھے - انتہی -

پھر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئی سزا نہیں دي گئی کہ اُنھوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کا عذر پیش کیا تھا - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئي عذر نہ تھا - پھر آگے چلکر سہیلی کا جواب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو سخت

مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رہتے ہیں - پس گورنمنٹ کو چاہیے کہ صرف اس بات کی جانچ کرلے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں یا نہیں ؟

اگر ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے' تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں :

یا مسلمانوں کیلیے اُنکے مذہب کو چھوڑدے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے انکے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ اپنے مذہبی احکام کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہوجانے پر مجبور ہو جائیں -

یا پھر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پروا نہیں ہے - وہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت ہوگی - اس کو صــــرف زیادہ سے زیادہ زمیں چاہیے' زیادہ سے زیادہ حکومت چاہیے' موصل کے تیل کے چشمے چاہئیں' عراق کی زرخیز زمین کی دولت چاہیے' اور اسلامی خلافت کا خاتمہ' تاکہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامی حریف باقی نہ رہے - اگر ایسا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی احکام متصادم ہوتے ہیں' تو ہوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد ہوجاتے ہیں' تو ہوا کریں - اُنکو ہر حال میں برٹش گورنمنٹ کا وفادار غلام بنا رہنا چاہیے' اگرچہ اسکی خاطـــر اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بھی نہایت آسان ہوجائگا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں' اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام' اِن دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنہوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ھجوم کا اعلان ھوچکا تھا اور چالیس ھزار رومیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی تھیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور نفیر عام کی صورت پیدا ھوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ھے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - پس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ھو -

تعجب ھے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ھدی میں یہی شبہ لاحق ھوا اور اسی لیے اُنھوں نے ھلال اور مرارہ کے بدری ھونے سے انکار کردیا ھے - والغلط لا تعصمہ الانسان -

فصل

(گورنمنٹ کے لیے اصلی سوال)

گورنمنٹ صرف اپنے فوائد و اغراض ھی سامنے رکھکر غور کرلے کہ ھندوستان کے کروڑوں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذھب کو محبوب رکھتے ھیں ' ایک ایسی اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر ھوگا جس میں ایک طرف انکے مذھبی احکام ھیں ' دوسری طرف برٹش گورنمنٹ ؟ اور دونوں باتیں اس طرح آپس میں لڑگئی ھیں کہ کسی طرح بھی جمع نہیں ھو سکتیں ؟

اگر انسان کے ھاتھہ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ھیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنٹ اِسوقت اُس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ھے جو اپنا ھاتھہ ھلا ھلا کر طوفانوں کو دعوت دے رھا ھو -

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی اُلجھاؤ ھے نہ کوئی مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھی سی بات ھے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ھے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ھیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہو - چھپی ھوئی کتابوں میں

کوئي قوم اس نظام کو ترک کردیتي ہے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے هي شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم هوں ' لیکن یه سرگرمیاں اس بارے میں کچھه سود مند نہیں هوسکتیں ' اور قوم جماعتي معصیت میں مبتلا هوجاتی ہے -

قرآن و سنة نے بتلایا ہے که شخصي زندگي کے معاصي کسی قوم کو بکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زهر آهسته آهسته کام کرتا ہے - لیکن جماعتي زندگی کی معصیت کا تخم (یعني نظام جماعتی کا نہونا) ایسا تخم هلاکت ہے جو فوراً بربادي کا پھل لاتا ہے اور پوري قوم کي قوم تباہ هو جاتی ہے -

شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھي نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے - مسلمانان هند جماعتي زندگی کی معصیت میں مبتلا هیں - اور جب جماعتي معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر هوسکتی ہے ؟

کتاب و سنة نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے هیں :

تمام لوگ کسي ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع هوجائیں ' اور وہ اُنکا امام هو -

وہ جو کچھه تعلیم دے ' ایمان و صداقت کے ساتھه قبول کریں -

قرآن و سنت کے مانحت اسکے جو کچھه احکام هوں ' اُنکی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی هوں - صرف اسی کی زبان گویا هو - سب کے دماغ بیکار هوجائیں - صرف اُسی کا دماغ کار فرما هو - لوگوں کے پاس نه زبان هو نه دماغ - صرف دل هو جو قبول کرے ' صرف هاتھه پاؤں هوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ہے ' تو ایک بھیڑ ہے ' ایک انبوہ ہے ' جانوروں کا ایک جنگل ہے ' کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے ' مگر نه تو " جماعت " ہے نه " امت " - نه " قوم " نه " اجتماع " - اینٹیں هیں مگر دیوار نہیں - کنکر هیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے هیں مگر دریا نہیں - کڑیاں هیں جو ٹکڑے ٹکڑے کردي جاسکتي هیں ' مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتي ہے -

باب

(نظـــام عمـــل)

فصل

(مسلمانان هند اور نظام جماعت)

لیکن همارے لیے اصلی سوال اب یه نهیں رها هے که گورنمنٹ کو کیا کرنا تھا ؟ صرف یه هے که همیں کیا کرنا چاهیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راہ عمل همیشه سے ایک هی رهی هے ' اور همیشه کی طرح اب بھی ایک هی هے - یعنی هندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصه سے مبتلا هیں ' اور جسکی وجه سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند هوگئے هیں -

" جماعتی زندگی کی معصیت " سے مقصود یه هے که ان میں ایک " جماعت " بنکر رهنے کا شرعی نظام مفقود هوگیا هے - وہ بالکل اس گلے کی طرح هیں جسکا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر هوکر گم هوگیا هو - وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے هوکر اپنی جماعتی قوت کی نمایش کرنی چاهتے هیں - کمیٹیاں بناتے هیں - کانفرنسیں منعقد کرتے هیں - لیکن یه تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں " بھیڑ " اور " انبوہ " کا حکم رکھتی هیں - " جماعت " کا حکم نهیں رکھتیں - " بھیڑ " اور جماعت " میں فرق هے - پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی هے جب کوئی تماشه هورها هو - دوسری چیز جمعه کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی هے جب هزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جهت ' ایک حالت ' اور ایک هی کے پیچھے مجتمع هوتی هیں -

شریعت نے مسلمـــانوں کیلیے جهاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کردیے هیں ' وهاں انکے لیے ایک اجتمـــاعی نظام بھی قرار دیدیا هے - وہ کهتی هے که زندگی اجتماع کا نام هے - افراد و اشخاص کوئی شے نهیں - جب

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاهیے " اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے - ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے :

دراري شب و بيداري من اين همه نيست
زحمت من خبر آريد تا كجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے کسقدر اهم اور نازک معامله هے ؟ اگر آج مسلمانوں میں انکے ائمۂ و مشاهیر موجود هوتے ' تو انمیں سے بھی هر شخص زبان نه کھولتا - کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند هو جاتے - لیکن اسکے مقابله میں آج تمهارا حال کیا هو رها هے ؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی هوئی هے - اسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاهتے هو - هر زبان تجویزیں پیش کر رهی هے - هر قلم امام و مجتهد کی طرح احکام نافذ کر رها هے - کوئی کچھه کہتا هے - کوئی کچھه کہتا هے - کوئی دهنے بلاتا هے - کوئی بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور دهنی انارکی کے ساتھه جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا غدر هے ' یه مهم سر هوسکتی هے ؟

شرعی پہلو سے مسئله کا یه حال که ایک صاحب نظر و اجتهاد دماغ کی ضرورت هے جسکا قلب کتاب و سنة کے معارف و غوامض سے معمور هو - وه اصول شرعیه کو مسلمانان هند کی موجوده حالت پر ' انکے توطن هند کی حدیث العهد نوعیت پر ' ایک ایک لمحه کے اندر متغیر هوجانے والے حوادث جنگ و صلح پر ' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیۂ و ملیه کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئ شرع صادر کرتا رهے - نه هر عالم اسکا اهل هے - نه هر مدرسه نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جاے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا هے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاهتے هو - پھر کسقدر نامرادی هے که وه قوت بھی ناپید ؟

بلاشبه لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نه جوش و سرگرمی کی کمی هے ' اور یه بڑی هی قیمتی چیز هے - لیکن اگر صحیح راه عمل اختیار نه کی گئی تو یہی بات سب سے زیاده مضر بھی هو جاسکتی هے - جذبات کی مثال اسٹیم کی سی هے - بغیر اسٹیم کے کچھه نہیں هوسکتا ' لیکن وه بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرایور) کے کچھه نہیں کرسکتی - مشین اسکی

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا ، نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گذشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کردی - حتی کہ سچ مچ وہ وقت آ گیا جسکی تذاهدوں کا بحیل پیدا کرکے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے ' فقد جاء اشراطها - فانی لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور غم ہونا چاہیے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جاے ' مگر جب کبھی کیا جاے ' سچائی ہے - اسکے لیے نہ تو کوئی وقت نامواق ہے نہ کوئی جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کی جائیگی ' معصیت اور ہلاکی ہے - لیکن جب کبھی کردیا جاے ' سچائی اور نیکی ہے ' اور اُسکا ثمرہ زندگی اور کامرانی -

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو ' اور پھر چیختے چلانے لگتے ہو ' اور جسطرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ہے ' تمکانک اعتقاد اور عمل دونوں تمہیں یاد آ جاتے ہیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے - نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے - تمہاری مصیبت دائمی ' تمہارا ماتم همیشگی کا ' تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا ' اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سایے کے ساتھہ ساتھہ دوڑ رہی ہے - اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو؟ اپنا همیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا ' روز نئے نئے روگ لگتے رہینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے ' مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا - پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی - همیشہ سے اور همیشہ کیلیے صرف یہی ہے کہ " ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے ' اور قوم و فرد ' دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ امت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

فصل

زبان ز نکتہ فرو ماند و راز من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھ بیان کیا گیا ' اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو - یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اسکی تصدیق کروگے - تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صداے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین (۷ : ۲۸) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ہنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو - تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر - نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو ' اتنی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کر جاتے ہو - تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی ' اتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے ' اور اسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزان ہے - پس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن - نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو - خدا را بتلاؤ ! میں تمہارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

طاقت کو ترتیب دیتي اور ڈرایور اس سے کام لیتا ھے - اگر یہ دونوں باتیں نہیں ھیں ' تو اس سے زیادہ کوئي خطرناک اور مہلک چیز بھي نہیں ھوسکتی - کاش وہ نہ ھوتي - وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتي ھے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ھزاروں انسانوں کو ھلاک بھي کردیتي ھے !

" جذبات " اُسی وقت کام دے سکتے ھیں ' جب اُنکو مرتب کرنے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھي موجود ھو - و ذلک من عمل النبوة ' و لکن لا یعقلها الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' اور ھمیشہ سے ' اور ھمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " بھي ھے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کي جماعتي زندگی اختیار کرلیں - اسي پر مسئلۂ خلافت اسلامي کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ھیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ھمدردان ملت کا شکر گزار ھونا چاھیے جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کي بنیاد ڈالي اور تمام ملک میں اسکي شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹی کا نظام مسلمانوں کو نظـــام جماعتی و شرعي کے قیام سے مستغنی نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹي روپیہ جمع کریگي - ایجي ٹیشن جاری رکھیگي - تبلیغ و اشاعت کریگی - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتي ھے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ھوسکتي ھے ' نہ شرعی نظام کي قائم مقامی ھوسکتي ھے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کي محتاج ھے - اور اگر وہ قوت نہیں ھے تو پھر اسکي ھستي بھی قائم نہیں رھسکتی -

نظام شرعی یہ نہیں ھے کہ ھر شخص فرداً فرداً سونچتا رھے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاھیے ؟ اور اخبارو میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملي راہ کیا ھونی چاھیے ؟ اور نہ ھر شخص یا چند آدمیوں کي گڑھي ھوئي کمیٹي کو یہ حق ھے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کي طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ھے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ھو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کار داني و نکتہ شناسی کے ساتھہ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولي مصالح و مقاصد اسکے سامنے ھونگے - کسي ایک گوشے ھي میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقي تمام گوشوں سے بے پروا ھوجاے :

حفظت شیئاً و غابت عنك اشیاء !

قداسون میں هوسکتی هیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں هوسکتی هیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمہ ھے ' اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اسکا منبع ' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں هوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی هدایتوں سے ماخوذ هوں - الحمد للہ کہ میں جو کچھہ کہتا اور کرتا رہا ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمہارے بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے - و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (۳ : ۵۴) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کتنوں هي نے کہدیا کہ یہ تو ایک طرح کي مذهبی بدعت اور ما فوق الفطرہ دعوؤں کا اعلان ھے : یرید ان یتفضل علینا - بعضوں نے تو فیصلہ هی کردیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحري اور ایک طرح کي ادیبانہ افسونگري ھے : اکتتبها فهي تملی علیه بکرة و اصیلا (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو ! بالاخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں - سب اُسی راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانستہ ' اور بہتوں نے نادانستہ ' مگر راہ سب نے وهي اختیار کی - آج تم سب اُسی " ما فوق الفطرۃ دعوؤں " اور " ساحرانہ فصاحت طرازیوں " کو اپنا اصل الاصول بنائے هوے هو ' اور " قیام شریعت " اور " نفاذ و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے هو -

پس جبکہ یہ پہلا تجربۂ و مشاهدہ تمہارے سامنے ھے ' تو آج میں اعلان کرتا هوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمہارا رخ وہ ھے جسکي طرف تم دوڑ رھے هو - اور میري راہ وہ ھے جسکي طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا هوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رهتے هو کہ بادی برسنے لگ جاے تو اقرار کریں ' لیکن میں هواؤں میں پانی کی بو سونگھہ لینے کا عادی هوں ' اور صرف بادلوں هی کو دیکھہ لینا میرے علم کیلیے کافی هوتا ھے پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ھے تو اس سے عبرت پکڑو ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاهتے هو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم ' و افوض امري الی اللہ - ان اللہ بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)
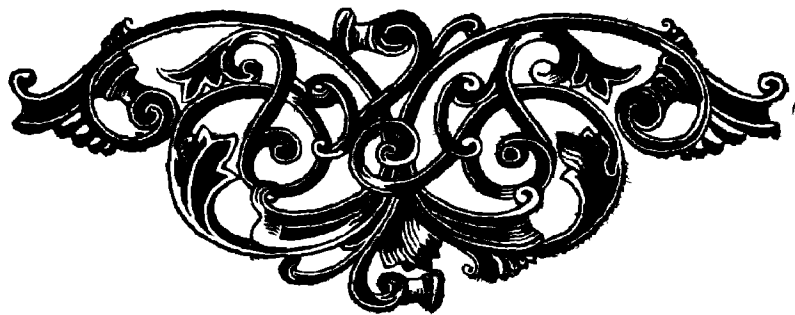
کی چیخ بنکر نکلتی تھیں ' مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکرہ ھے ' اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں ؟ اور تم بکقلم انکار و اعراض میں غرق تھے ؟

تم نے ھمیشہ اعراض کیا - تم نے اعـــراض ھی نہیں کیا ' بلکـــہ

جعلوا اصابعهم فی آذانهم ' و استغشوا ثیابهم ' و اصروا ' و استکبروا استکبارا [٧١ : ٧] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ھر گروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بہتر دیکھی ' فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا - لیکن فلم تزد هم دعائی الا فـــرارا (٧١ : ٦) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ھو ' اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ھوں - یہانتک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ھوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا ' اور خدا ھی بہتر جانتا ھے کہ وھاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ھوتی رھیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ھوں - لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اسی طرح مفقود ھے ' جیسا کہ ھمیشہ سے مفقود رہا ھے - ابتک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلاتے ھو کہ استقبال سے بھرے ھوے ریلوے اسٹیشنوں پر آتاروں ' اور ایسے پر جوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ھاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ھوں ' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ اُنکے ھجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ھو جاے ' مگر آہ ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ھوا ھے ' اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ھو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ھوئی ھیں - افسوس ! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ھو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ھو - میں سچ سچ کہتا ھوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ھوں :

من بہر جمعیتے نالاں شـدم * جفت خوشحالان و بد حالاں شدم
ھر کسے ار ظن خـود شـد یار من * و ز درون من نہ جست اسرار من
سر من ار نالۂ مـــن دور نیست * لیک کس را گوش آن منظور نیست

میری راہوں میں نہ کبھی تبدیلی ھوئی ' نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ھے - تبدیلیاں فکروں میں ھوسکتی ھیں '

٢١	المهدي بن منصور	١٥٨	٧٧٤
٢٢	الهادي بن المهدي	١٦٩	٧٨٥
٢٣	هارون الرشيد بن المهدي	١٧٠	٧٨٦
٢٤	محمد الامين بن هارون	١٩٣	٨٠٨
٢٥	المامون بن هارون	١٩٨	٨١٣
٢٦	المعتصم بن هارون	٢١٨	٨٣٣
٢٧	الواثق بن المعتصم	٢٢٧	٨٤٢
٢٨	المتوكل علي الله بن المعتصم	٢٣٢	٨٤٧
٢٩	المستنصر بالله بن المتوكل	٢٤٧	٨٦١
٣٠	المستعين بالله بن المعتصم	٢٤٨	٨٦٢
٣١	المعتز بالله بن المتوكل	٢٥٢	٨٦٦
٣٢	المهتدي بالله بن الواثق	٢٥٥	٨٦٩
٣٣	المعتمد بالله بن المتوكل	٢٥٦	٨٧٠
٣٤	المعتضد بالله بن الموفق	٢٧٩	٨٩٢
٣٥	المقتدر بالله بن الموفق	٢٩٥	٩٠٨
٣٦	الراضی بالله بن المقتدر	٣٢٢	٩٣٣
٣٧	المقتفی بالله بن المقتدر	٣٢٩	٩٤٠
٣٨	المستکفی بالله بن المقتفی	٣٣٣	٩٤٤
٣٩	المطيع بالله بن المقتدر	٣٤٣	٩٤٦
٤٠	الطائع لله بن المطيع	٣٦٣	٩٧٤
٤١	القادر بالله بن المقتدر	٣٨١	٩٩١
٤٢	القائم بامر الله بن القادر	٤٢٢	١٠٣١
٤٣	المقتدي بالله بن القائم	٤٦٧	١٠٧٥
٤٤	المستظهر بالله بن المقتدي	٤٨٧	١٠٩٤
٤٥	المسترشد بالله بن المستظهر	٥١٢	١١١٨
٤٦	الراشد بن المسترشد	٥٢٩	١١٣٤
٤٧	المقتفي بن المستظهر	٥٣٠	١١٣٦
٤٨	المستنجد بالله بن المقتفي	٥٥٥	١١٦٠
٤٩	المستضئی بنور الله بن المستنجد	٥٦٦	١١٨٠
٥٠	الناصر لدين الله بن المستضئی	٥٧٥	١١٨٠

جدول سنین خلافۃ اسلامیہ
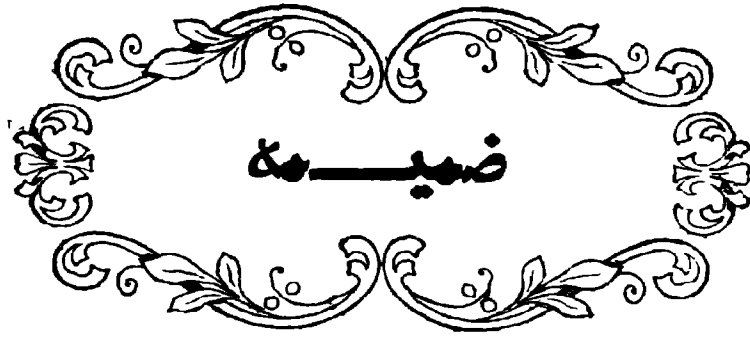
عدد	خلفاء		سنه هجري	سنه مسيحي
۱	ابوبکر الصدیق	(رض)	۱۱	۶۳۲
۲	عمر بن الخطاب	(رض)	۱۳	۶۳۴
۳	عثمان بن عفان	(رض)	۲۳	۶۴۴
۴	علي بن ابي طالب	(رض)	۳۵	۶۵۲
	سلسلۂ بنو امیہ			
۵	معاویه بن ابي سفیان		۴۱	۶۶۱
۶	یزید بن معاویه		۶۰	۶۸۰
۷	معاویه بن یزید		۶۴	۶۸۳
۸	مروان بن الحکم		۶۴	۶۸۳
۹	عبد الملک بن مروان		۶۵	۶۸۴
۱۰	الولید بن عبد الملک		۸۶	۷۰۵
۱۱	سلیمان بن عبد الملک		۹۶	۷۱۴
۱۲	عمر بن عبد العزیز		۹۹	۷۱۷
۱۳	یزید بن عبد الملک		۱۰۱	۷۱۹
۱۴	هشام بن عبد الملک		۱۰۵	۷۲۳
۱۵	الولید بن یزید بن عبد الملک		۱۲۵	۷۴۲
۱۶	یزید بن الولید		۱۲۶	۷۴۳
۱۷	ابراهیم بن الولید		۱۲۶	۷۴۳
۱۸	مروان بن محمد بن مروان		۱۲۷	۷۴۴
	سلسلۂ عباسیہ			
۱۹	ابو العباس سفاح		۱۳۲	۷۴۹
۲۰	ابو جعفر منصور		۱۳۷	۷۵۴

۷۸	مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹	ابراهیم اول	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰	محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱	سلیمان ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲	احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳	مصطفی ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴	احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳
۸۵	محمود اول	۱۱۴۲	۱۷۳۰
۸۶	عثمان ثالث	۱۱۶۸	۱۷۵۴
۸۷	مصطفی ثالث	۱۱۷۱	۱۷۵۷
۸۸	عبد المجید اول	۱۱۸۷	۱۷۷۳
۸۹	سلیم ثالث	۱۲۰۳	۱۷۸۹
۹۰	مصطفی رابع	۱۲۲۲	۱۸۰۷
۹۱	محمود ثانی	۱۲۲۳	۱۸۰۸
۹۲	عبد المجید	۱۲۵۵	۱۸۳۹
۹۳	عبد العزیز	۱۲۷۷	۱۸۶۱
۹۴	مراد خامس	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۵	عبد الحمید ثانی	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۶	محمد خامس	۱۳۲۴	۱۹۰۸
۹۷	امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته	۱۳۳۶	۱۹۱۸

۵۱	الظاہر باللہ بن الناصر	۲۶۲	۱۲۲۵
۵۲	المستنصر باللہ بن الظاہر	۶۲۳	۱۲۲۳
۵۳	المستعصم باللہ بن المستنصر	۶۴۰	۱۲۴۳

عباسیۂ مصر

۵۴	المستنصر باللہ	۶۵۶	۱۲۵۸
۵۵	الحاکم بامر اللہ	۶۶۱	۱۲۶۲
۵۶	المستکفي با للہ	۷۰۱	۱۳۰۱
۵۷	الواثق با للہ	۷۴۰	۱۳۳۹
۵۸	الحاکم بامر اللہ	۷۴۲	۱۳۴۱
۵۹	المعتضد با للہ	۷۵۳	۱۳۵۲
۶۰	المتوکل علی اللہ	۷۶۳	۱۳۶۱
۶۱	الواثق باللہ	۷۸۵	۱۳۸۳
۶۲	المستعین با للہ	۸۰۸	۱۴۰۱
۶۳	المعتضد با للہ	۸۱۵	۱۴۱۲
۶۴	المستکفی با للہ	۸۴۰	۱۴۴۱
۶۵	القائم بامر اللہ	۸۵۴	۱۴۵۰
۶۶	المستنجد با للہ	۸۵۹	۱۴۵۴
۶۷	المتوکل علی اللہ	۸۸۴	۱۴۷۹
۶۸	المستمسک با للہ	۹۰۳	۱۴۹۷
۶۹	المتوکل علی اللہ	۹۱۲	۱۵۰۶

سلسلۂ عثمانیہ

۷۰	سلیم خان اول	۹۲۳	۱۵۱۷
۷۱	سلیمان اول	۹۲۶	۱۵۲۰
۷۲	سلیم ثاني	۹۷۴	۱۵۶۶
۷۳	مراد ثالث	۹۵۲	۱۵۷۴
۷۴	محمد ثالث	۱۰۰۴	۱۵۹۶
۷۵	احمد اول	۱۰۱۲	۱۶۰۴
۷۶	مصطفی اول	۱۰۲۷	۱۶۱۸
۷۷	عثمان ثاني	۱۰۲۷	۱۶۱۸

(۲) ٥ - جنوري سنه ۱۹۱۸ - کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپنی مشہور تقریر میں کہا :

" هم اسلیے جنگ نہیں کر رهے هیں که ترکی کو اس کے دارالخلافة سے محروم کردیں - یا ایشیاے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکي النسل آبادي کا جزء غالب هے -

هم اس بات کے بھی مخالف نہیں که جن علاقوں میں ترکی نژاد آبادي هے ' وهاں ترکوں کی سلطنت قایم رهے ' یا قسطنطنیه اس کا پایه حکومت هو - البته بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستہ کو بین الاقوامی ضبط و نگرانی میں لانے کے بعد هماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانه قومي حکومتوں کے مستحق هیں "

وزیراعظم نے یه جو کچھه کہا تھا ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تھی جسکی ذمه داری صرف انپر عائد هوتي هے ' یا برطانیه کا سرکاری اعلان تھا ؟ اور اگر سرکاري اعلان تھا تو صرف وزارت اور اسکی گورنمنٹ کا تھا ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اس تمہید سے ملتا هے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود هے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمائندوں کے ساتھه هوئی هے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا هوں که آج میں جو کلمات کہونگا ' انکے لیے گو تنہا حکومت هي ذمه دار هوگی ' مگر همارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کی نوعیت ' اور اسکی غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معرفت تمام دنیا سے هونگے ' انسے تمام قوم متحد و متفق هے - میں دلیري کے ساتھه اس بات کا دعوی کرسکتا هوں که میں صرف گورنمنٹ کے ما في الضمیر هی کي نہیں بلکه تمام قوم اور تمام قلمرو کي بحیثیت مجموعی ترجماني کر رها هوں "

۲
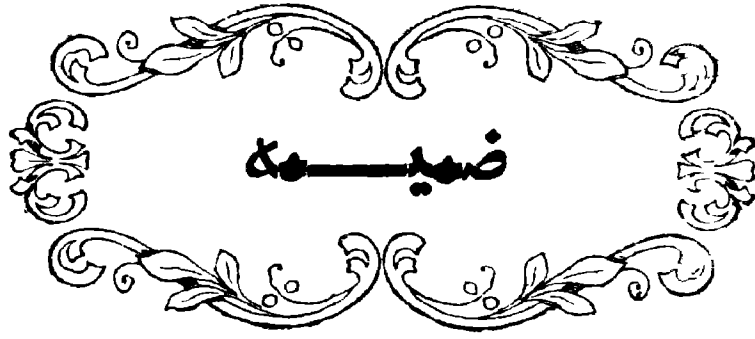
مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاری اعلانات کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے ' اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ترکی کے شامل جنگ ہوے کے بعد ۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ع کو شائع ہوا :

برطانیہ عظمی اور ترکي میں جنگ چھڑ گئی ہے - برطانیہ کو اسکا سخت افسوس ہے کہ یہ برے مشورے سے اور بلا کسی اشتعال کے اور خوب سونچ سمجھہ کر دولت عثمانیہ کي طرف سے عمل میں آئی ہے - لہذا هز یکسلنسي وایسراے ہند ہز مجسٹی کي گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بھي شامل ہے ' مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تا کہ ہز مجسٹی کي نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہو - اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئي سوال ہی نہیں ہے -

ان مقامات مقدسہ اور بندر گاہ جدہ پر برطانی بري و بحري طاقتوں سے کبھي حملہ نہ ہوگا ' نہ ان کو ستایا جائیگا جب تک کہ حجاج و زائرین ہند سے جو ان مقامات مقدسہ میں جائیں ' کوئی چھیڑ نہ کی جاے - ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھي اسي طرح کا یقین دلایا ہے -

(۶) ۵ - جون سنه ۱۹۱۶ - کو خاص سر زمین حجاز میں سازش کی گئی اور شریف مکه سے بغاوت کرائی گئی - اس بغاوت کی وجه سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم هوا اور حدود حرم میں گوله باری هوئی -

(۷) حسب تصریح نامه نگار لندن ٹائمس بندرگاه جده پر گوله باری کی گئی -

(۸) میجر راس کے هوائی جهاز نے عدن مدینهٔ طیبه کی فضا میں چکر لگائے (جیسا که ڈاکٹر هاگرتهه نے فروری سنه ۱۹۲۰ - کو ٹاون هال اکسفورڈ کی تقریر میں بیان کیا)

(۹) کوفه ' کربلائے معلی ' نجف اشرف پر قبضه کیا گیا جو عراق کی مشهور زیارت گاهیں هیں -

(۱۰) ترکی کو تھریس کے کل علاقه سے مع اڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جهاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی هے -

(۱۱) صلح نامه ترکی کی دفعه ۳۶ کے مطابق ترکی سے اس کے دار السلطنت کی خود مختارانه فرماں روائی بھی سلب کرلی گئی اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی هیں -

(۱۲) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشهور زر خیز مقام هے ' ترکی سے علحده کردیا گیا - وهاں کی مسلمان آبادی پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے که بے شمار جانیں هلاک و تباه هوگئیں اور هو رهی هیں -

(۱۳) صلح نامه کی شرائط نے بقیه ایشیاء کوچک کے مالی اور هر طرح کے فوجی اختیارات کی خود مختاری سے بھی ترکی کو محروم کردیا هے - وه ایک محدود تعداد سے زیاده فوج نهیں رکهه سکتی - چند چهوٹے جنگی جهازوں کے علاوه کوئی بحری قوت حاصل نهیں کرسکتی - اپنی عیسائی رعایا پر اسے کوئی اختیار نهیں رها - اس کی حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی هوگئی هے جو برائے نام پادشاهت سے ملقب کردی گئی هو -

(۱۴) صلح نامه کی دفعه ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وه تمام دینی و اسلامی اختیارات سلب کر لیے گیے هیں جو بحیثیت خلیفة المسلمین انهیں حاصل تهے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خلافت کا وجود هی باقی نهیں رهتا - اس دفعه کا منشاء یه هے که :

پھر ۲٦ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هاؤس اف کامنز میں تقریر کرتے هوے اسی اعلان کي نسبت وزیر اعظم کہتے هیں ٭

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعني تھا ' اور بہت کچھہ سونچ سمجھکر کیا گیا تھا - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تھا - مزدوروں کي جماعت بھي اُس سے متفق تھی "

(۳) پرسیڈنٹ امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنه ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو به اتفاق فریقین صلح کیلیے بنیادي شرطیں قرار پائي تھیں - اُن میں بارھویں شرط یہ تھي :

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصہ ھے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا کہ اس کی وہ سلطنت محفوظ رھیگی - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکی کے زیر حکومت هیں' اُنکو بھی اسکا اطمینان دلادیا جاے کہ اُنکي جان و مال محفوظ ھے ' اور اُنکی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ هوگي "

ایفـــاء عہـــد

یہ وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یہ ھے :

(۱) گورنمنٹ هند نے عراق پر حملہ کیا جس کا بڑا حصہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل ھے -

(۲) ۲۹ - نومبر سنه ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ ھے -

(۳) - ۲۲ - نومبر سنه ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حملہ کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسي (رض) کا مزار ھے -

(۴) مارچ سنه ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي مشہور زیارت گاہ ھے -

(۵) ۹ - ڈسمبر سنه ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطاني فوجیں داخل هوئیں اور انگریزي قبضہ کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک ھے -

اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ' پھر مطالعہ فرمائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	وغیرہ ذلک	وغیر دلك
۵	۱۳	خلفه	خلیفه
۱۱	۱۰	الامرء	الامر
۱۸	۲۲	وکر و نظر	فکر و نظرسے
۱۹	۳	هو دور	هر دور
۲۵	۹	پس جو شخص	جو شخص
۳۳	۱۹	قوتوں کے	قوتوں کو
۳۶	۱۵	سمجھتے	سمجھتے هو
۳۸	۲۴	Selectian	Selection
۷۱	۱۰	عدارت	عداوت
۷۲	۲۸	گئے	گئے تھے
۸۲	۲۵	تو نه	توبه
۱۲۳	۱۲	Couflict	Conflict
"	"	Religiuon	Religion
"	۱۳	Seince	Science
"	۲۰	Dalambert	Dalembert
۱۵۰	۲۵	کی کو جرأت	کي جرأت
۱۰۸	۷	روایت	رأیت
۱۵۱	۳	میں میں	میں
۱۶۲	۱۰	چلپي	چلپی
۱۶۳	۲	جو حصول	که حصول
"	۶	فراموش	بکقلم فراموش
"	۸	ارر	ار ر
"	۹	نہیں رھا	نه رھا
"	۱۹	بکفیِ	یکهیِ

" حکومت ترکی اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداري کے یا دوسري طرح کے مسلمانوں پر
رکھتی ھے ' بالکل دست بردار ھوتی ھے "
" ترکی بلا واسطه یا بالواسطه کسي طرح کے اختیارات
اُن ممالک پرنه رکھیگي جو ترکی سے علحدہ ھوگئے ھیں "

حالانکه شرعاً منصب خلافت کے معنی ھی یه ھیں که تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کي اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل ھو ' اور وہ تمام اسلامي دنیا میں ایک مرکزی اسلامی اقتدار کي حیثیت رکھے - لیکن اس دفعه نے ترکی کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامی خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ھوگئی -

(۱۵) شام کو ترکی سے الگ کرکے آزادي نہیں دی گئي بلکه فرانس کی حکم برداری و بالادستي ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کي تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتي رھی اور فرانس کي فوجوں نے اُس پر جبراً قبضه کرلیا -

(۱۶) عراق کی آبادی کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی بلکه برطانیه نے اُسکی حکم برداری کا دعوی کیا اور اسپر اپنا قبضه قائم رکھا - وھاں کی آبادی ایفاے عہد کا مطالبه کرتے کرتے مایوس ھوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اُٹھه کھڑی ھوئی ھے - اب اُنکو "باغی" کہا جارھا ھے - حالانکه اگر برطانیه کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نہیں بلکه آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وہ " باغی " کیونکر ھوسکتے ھیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ھوتا ھے - نه که کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر -

(۱۷) یه تمام نتائج صلح نامه ترکی کے ھیں - لیکن قبل اسکے که ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھه صلح کرے ' برٹش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیه پر قبضه کرلیا ' اور خلیفة المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدي کی سی ھوگئی - اس قبضه کی وجه سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمی کی متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبه جو توھین ھوئی ' اُسکی تفصیل کا یه موقعه نہیں - نه وہ سلوک ھے جو نه تو جرمنی کے ساتھه کیا گیا ' نه آسٹریا کے ساتھه ' اور نه کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھه -

الهلال

جلد سوم مکمل - قیمت چھہ روپیہ

صرف چند نسخے باقی رهگئے هیں -

البلاغ

کی پہلي جلد (جس میں صرف پہلا اور دوسرا نمبر نہیں ہے)

قیمت - چار روپیہ آٹھہ آنہ -

تذکرہ

(جلد اول)

مصنفہ مولانا ابو الکلام

تاریخ ' تفسیر قران ' فقہ و حدیث ' ادب و معاضرات کے

مباحث کا ایک نادر مجموعہ

قیمت تین روپیہ

جامع الشواهد

غیر مسلموں کا مسجد میں داخلہ ' احکام شرعیہ کي تفصیل ' هندوں

کی نسبت اسلامي احکام کي تحقیق - " آیۃ انما لمشرکون نجس فلا

یقربوا المسجد الحرام " کي محققانہ تفسیر

قیمت ایک روپیہ

منیجر البلاغ پریس نمبر ۴۵ رپن لین کلکتہ

۱۶۵	۱	هے هوتا	هوتا هے
۱۶۹	۱	هوے	هوں
۱۷۰	۳	دربا	دریا
۱۸۱	۲۵	Wustenfeld	Westenfeild
۱۸۸	۲۸	کےلئے	کیلیے
۱۹۹	۱۵	سطانا	سلطانا
۲۰۰	۸	معهم	معه

(۱) صفحه ۳۲ - سطر ۲۷ میں " هجرة " کے معني " الهجر و الهجران مفارقة الانسان غیره " الخ نقل کیے هیں - یه عبارت مفردات راغب اصفهاني کی هے -

(۲) صفحه ۶۸ میں هے " فصل : من حمل علینا السلاح فلیس منا " دراصل یه فصل نهیں بلکه ایک مستقل باب هے - صحیح یوں هے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پهر اسکے بعد اس باب کي پهلی فصل هے " من حمل علینا " الخ -

(۳) صفحه ۸۶ میں فصل هے " واقعه امام حسین علیه السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑهنا چاهیے - غلطي سے اسکے بعد درج هوگئی -

(۴) صفحه ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث هے " اذا اصلحت ' صلحت کلها ' و اذا فسدت ' فسدت کلها " لیکن امام بخاري کے الفاظ یه هیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد کله ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد کله - الا ' وهي القلب ! "

(۵) صفحه ۲۱۵ سلسله عباسیه کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنه هجری ۶۵۴ کے بجاے ۶۵۶ - نمبر ۴۶ کا سنه هجري ۵۵۹ کے بجاے ۵۲۹ اور سنه مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۴۹ میں سنه مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑهیے -

Printed and published by F. D. Ahmed Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
45, Ripon Lane, Calcutta.

(2nd Edition, October 1920)

اخرجوا الیهود والنصاری من جزیرة العرب (الحدیث)

البلاغ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ ہاؤس - نمبر ۴۵ رپن لین - کلکتہ